3
کوہ قاف کی ملکہ

بوستانِ خیال　　　　　　　　　　　تیسرا حصّہ

کوہ قاف کی مَلِکہ

مقبول جہانگیر

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

اُستاد اَرغنُون

سات دِن آرام کرنے کے بعد شہزادہ گُنبد کے دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ دوسرا طبقہ پہلے طبقے کی جگہ آ گیا ہے۔ شہزادے نے اُس کُنجی سے دوسرے طبقے کے دروازے کا قُفل کھولا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی ایک لمبی سُرنگ دیکھی اُس میں روانہ ہوا۔ سُرنگ کے آخر میں ایک خوف ناک اژدہا بیٹھا تھا۔ اُس کے مُنہ سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔

شہزادے نے اسے لَوح دکھائی تو اُس وقت وہ رسّی بن گیا۔ جب رسّی اُٹھائی تو وہ کمند تھی۔ شہزادے نے کمند کندھے پر ڈالی اور آگے روانہ ہوا۔

یکایک سُرنگ ختم ہوئی اور ایک دریا دکھائی دیا۔ جامِ جم کو دریا میں ڈالا۔ وہ اُسی وقت کشتی بن گیا۔ شہزادہ کشتی میں سوار ہوا۔ دریا میں سفر کرتے رات آ گئی۔ شہزادے کی آنکھیں نیند سے بند ہوئیں۔ خواب میں اُسی نقاب پوش کو دیکھا کہ دریا میں مچھلی کا شکار کھیل رہی ہے۔ آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو اُسی دریا میں پایا۔ دوسری رات بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔ تیسرے روز صُبح کشتی کنارے پر آتے ہی دوبارہ جام بن گئی۔ شہزادے نے جامِ جم جیب میں ڈالا اور کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ایک پُر فضا میدان میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت سر کے بال بکھیرے وہاں دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہے۔ قریب پہنچا تو وہی نقاب پوش مَلِکہ وہم افروز

تھی۔ شہزادے نے پوچھا:

"تُم یہاں کیا کر رہی ہو، اور رونے کا سبب کیا ہے؟"

اُس نے گردنِ اُٹھا کر پوچھا: "اے نوجوان، تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

اِس سوال پر شہزادے کو حیرت ہوئی۔ کہا:

"میں شہزادہ اسمٰعیل ہوں۔ میرے باپ کا نام سلطان مہدی ہے۔ وہ بارہ برس سے اِس طِلسم کی قید میں ہیں۔ انہیں چھڑانے آیا ہوں۔ پہلے طبقے کا فاتح ہوں اور میں نے تمہیں وہیں دیکھا تھا۔ کیا تُم وہی نقاب پوش مَلِکہ نہیں ہو جس کی ایک جھلک دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا تھا؟"

اُس عورت نے یوں اپنی کہانی بیان کی:

"اے نوجوان، تُجھے شاید دھوکا ہوا۔ میں وہ نقاب پوش نہیں ہوں۔ غور سے سُن۔ اس دریا کنارے ایک آبادی ہے۔ اُسے بندر نارجیل کہتے ہیں۔ میرا باپ بنادق شاہ اِس جگہ کا بادشاہ ہے اور میرا نام خوش ناز ہے۔ میں نے بہت ناز و نعمت میں پرورش پائی ہے کیوں کہ میں اپنے باپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ناگہاں ایک چور مُجھے محل سے اُٹھا لایا۔ اس کا نام کیتال ہے۔ اُس کے بھائی کیسال نے مُجھے دیکھا تو شادی کا خواہش مند ہوا، لیکن کیتال خود مُجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب دونوں بھائیوں میں ٹھنی ہوئی ہے کہ کون مُجھ سے شادی کرے۔ وہ سامنے پہاڑ پر اُن کا اڈّا ہے۔ دونوں بھائیوں کے ساتھ اسّی چور اور ہیں اور اُن کا پیشہ ہی قتل و غارت اور ڈاکے ڈالنا ہے۔ اِس وقت بھی وہ کہیں واردات کرنے گئے ہیں۔"

شہزادے نے خوش ناز کو اپنے ساتھ لیا اور ایک محفوظ مقام پر بِٹھا کر واپس اس پہاڑ پر آیا اور تیر کمان سنبھال کر ایک درّے میں بیٹھا۔ شام کے وقت چور باری باری اس درّے میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ شہزادے نے چار چور تیر سے، دو پتھرّوں سے اور چار کو جو نزدیک پہنچ گئے تھے، تلوار سے قتل کیا۔

آخر چوروں نے جمع ہو کر حملہ کیا۔ سخت خوں ریز جنگ کے بعد شہزادے نے کیتال اور کیسال سمیت سب چوروں کو جہنّم میں پہنچایا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے خوش ناز کو اِطّلاع دی کہ سب چوروں کا قصّہ پاک ہوا۔ اُس نے شہزادے کی دلیری اور بہادری پر آفرین کہی۔ پہاڑی غاروں میں چوروں نے بے انتہا خزانہ جمع کر رکھا تھا۔ شہزادے نے کئی کئی من وزنی پتھرّ لَوح کی برکت سے اُٹھا کر اُن غاروں کے دہانوں پر رکھ دیے۔ پھر

انھوں نے کیتال اور کیسال کے گھوڑے پکڑے اور ان پر سوار ہو کر دریا کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

راہ میں ایک چھوٹی سی آبادی نظر آئی، جس کا نام مُلوقیہ تھا۔ آبادی کے باہر ایک سرائے میں اُترے۔ رات ہوئی تو وہاں کے حاکم مسلُوق کا ایک عیّار سرائے میں آیا اور خوش ناز کو دوائے بے ہوشی سنگھا کر مسلُوق کے محل میں لے گیا۔ خوش ناز کو ہوش آیا تو مسلُوق کی قید میں تھی۔ مصلحت سمجھ کر اپنے آپ کو پاگل بنا لیا۔

صُبح شہزادے کی آنکھ کھلی تو خوش ناز کو نہ پایا۔ سرائے والے سے پوچھا تو اُس نے بگڑ کر کہا کہ میاں مُجھے کیا معلوم وہ عورت کہاں گئی۔ کیا تم نے اُسے میرے سپرد کیا تھا؟ شہزادہ اُسے آبادی میں ڈھونڈنے نکلا۔ سارا دِن مارا مارا پھرا مگر خوش ناز کا کہیں نام و نشان نہ پایا۔ لَوح سے مشورہ کیا تو

اس نے کُچھ بھی نہ بتایا۔ شہزادہ بہت پریشان ہوا۔

شام کو آبادی کے کنارے ایک بُڈّھے سے ملاقات ہوئی اور وہ شہزادے کو مسافر جان کر زبردستی اپنے گھر لے گیا۔ جاتے ہی دستر خوان بچایا اور طرح طرح کے لذیذ کھانے چُن دیے، لیکن شہزادے کا جی کھانے میں نہ لگا۔ تب بُڈّھے نے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ شہزادے نے اُسے ہمدرد پایا تو سارا حال کہا۔ اُس نے شہزادے کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بیٹا، فکر مت کر۔ اطمینان سے کھانا کھا۔ میں خُدا پرست ہوں اور تیری پریشانی پر ایمان کا نور دیکھ کر مُجھے اپنے گھر میں لایا ہوں۔ میں اپنے بال بچّوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیری حاجت رواں کر دوں گا۔ تو کھانا کھا۔"

شہزادے نے یہ سُن کر چند لُقمے کھائے۔ اُس کے بعد بُڈّھے کی بیوی چادر اوڑھ کر آبادی میں گئی اور دو گھڑی بعد خبر لائی کہ خوش ناز نام کی ایک

عورت حاکمِ شہر مسلُوق کے مکان میں ہے۔ آدھی رات کے بعد شہزادہ مسلُوق کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ کمند پھینک کر چھت پر گیا اور محل کے اندر اُترا۔ ایک کمرے سے چیخوں کی آوازیں سُنائی دیں۔ باہر ایک غُلام پہرے پر کھڑا تھا۔ شہزادے نے لپک کر دونوں ہاتھوں سے غلام کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ آواز پیدا کیے بغیر مر گیا۔

اب شہزادے نے دروازہ کھولا۔ خوش ناز پاگل بنی چیخ رہی تھی۔ شہزادے کو دیکھتے ہی خوشی سے اُچھل پڑی۔ شہزادے نے اُسے ساتھ لیا۔ کمند کے ذریعے دونوں محل سے باہر نکلے، بوڑھے کے مکان سے گھوڑے لیے اور اُن پر سوار ہو کر راتوں رات بندر نارجیل کی جانب روانہ ہوئے۔

اگلے روز دوپہر کے وقت نارجیل جا پہنچے۔ ایک سرائے میں قیام کیا۔ شام

کو شہزادہ شہر کی سیر کے لیے نکلا۔ وہاں عجب تماشا نظر آیا۔ دیکھا کہ شاہی تخت آدمیوں کے کندھوں پر ہے۔ اس تخت پر سونے کا تاج دھرا ہے۔ سب لوگوں نے سیاہ لباس پہن رکھا ہے اور روتے دھوتے تخت کو ساتھ لیے، شہر میں پھرتے ہیں۔

شہزادے نے ایک شخص سے ماجرا پُوچھا۔ اس نے بتایا کہ اس شہر کے حاکم کی بیٹی کو کوئی چور اُٹھا کر لے گیا تھا۔ اُس نے بہت تلاش کرایا، کہیں پتا نہ ملا۔ آخر بیٹی کے غم میں گھُل گھُل کر مر گیا۔ اس بیٹی کے سوا اس کی کوئی اولاد نہ تھی، اِس لیے اس شہر کی رسم کے مطابق ایک سال تک شاہی تخت و تاج شہر میں پھرایا جائے گا۔ اگر اِس مُدّت میں اُس کی گُم شدہ بیٹی واپس آ گئی تو حکومت اُس کے حوالے کی جائے گی ورنہ وزیر بادشاہ ہو گا۔

یہ کہانی سُن کر شہزادہ وزیر کے پاس گیا، جس کا نام زرّیں تھا۔ اس کے کان میں کہا کہ بادشاہ کی بیٹی حاضر ہے۔ وزیر یہ سُن کر خوش ہوا۔ اُسی وقت سواری بھیجی اور خوش ناز کو سرائے بُلوا کر محلِ شاہی میں روانہ کیا۔ شہزادے کو ایک خوب صورت باغ میں ٹھہرایا۔

اگلے روز شہزادے کی آنکھ کھُلی تو دیکھا نہ وہاں باغ ہے، نہ مَلکہ کا محل اور نہ وہ شہر۔ اپنے آپ کو گُنبد کے باہر پڑے پایا۔ ارقم جن اور یختاش نے آن کر احوال پُوچھا۔ شہزادے نے سب بیان کیا۔ وہ حیران ہوئے۔ پھر دیکھا کہ گُنبد سے دو طبقے الگ ہو گئے ہیں اور پانچ طبقے اپنی جگہ موجود ہیں۔

تیسرے روز شہزادہ اُسی کُنجی سے تیسرے دروازے کا قُفل کھول کر اندر گیا۔ گھُپ اندھیرا تھا۔ واپس آیا، لیکن اتنی ہی دیر میں دروازہ غائب ہو چُکا تھا۔ مجبور ہو کر آگے چلا۔ تھوڑی دیر بعد ایک زینے پر پہنچا۔ اُسے طے کیا۔

پھر دوسرا زینہ نظر آیا۔ اُسے بھی طے کیا۔

اسی طرح سوز ینے ملے، چلتے چلتے ہانپ گیا۔ آخر روشنی پیدا ہوئی۔ سُرنگ سے باہر نکلا تو جہاں تک نظر جاتی تھی، عمارتیں ہی عمارتیں دکھائی دیتی تھیں اور اُن کے رنگ مختلف تھے۔ یہاں بھی ایک زینہ تھا۔ اس سے اُتر کر صحرا میں داخل ہوا۔ دِن بھر چلتا رہا۔ شام کو ایک درخت کے پاس پہنچا جس میں بے شما انار لٹک رہے تھے۔ اُس درخت کے قریب ہی پانی کا چشمہ بھی بہہ رہا تھا۔ وضو کر کے نماز ادا کی۔ پھر جتنی بھوک تھی، اس کے مطابق درخت سے انار توڑ کر کھائے۔ اِس کے بعد گہری نیند سو گیا۔

آدھی رات کو آنکھ کھُلی۔ کانوں میں عجیب عجیب نغموں اور سازوں کی آواز آرہی تھی۔ اُس وقت اُٹھ کر ان آوازوں کا سراغ لگانے نکلا۔ جوں جوں چلتا، آواز دُور ہٹتی محسوس ہوتی۔ صُبح تک آواز کے پیچھے چلتا رہا۔ آخر

سورج نکل آیا۔ آوازیں اب ایک باغ سے آتی ہوئی سُنائی دے رہی تھیں۔ شہزادہ اُس باغ میں گیا تو ایک عالی شان مکان نظر آیا۔ مکان کے اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ چار عورتیں ساز ہاتھوں میں لیے گا رہی ہیں اور درمیان میں ایک بُوڑھا کھوسٹ بیٹھا ہے۔ جوں ہی شہزادہ اندر گیا، سب نے اُٹھ کر ادب سے سلام کیا اور پوچھا :

"آپ کون ہیں؟ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

شہزادے نے سب حال بیان کیا اور کہا کہ گُنبد ہفت طبقہ کا یہ تیسرا حصّہ ہے اور میں اِسے فتح کرنے آیا ہوں۔ بُوڑھے نے کہا :

"اے جوان، خُدا سے ڈر۔ یہاں آسمان کے گُنبد کے سوا اور کوئی گُنبد نہیں ہے اور تُو اِس طِلسم کو کیا فتح کرے گا۔ چہ پدّی چہ پدّی کا شوربا۔"

شہزادے کو یہ بے ہودہ کلمہ سُن کر غصّہ تو بہت آیا، لیکن بُوڑھے کی بزُرگی کا خیال کر کے ضبط کیا۔ صرف اتنا پوچھا :

"اچھّا یہ بتا دو کہ تُم کون ہو؟ یہ عورتیں کیوں گاتی ہیں اور یہ باغ کس کا ہے ؟"

بُوڑھے نے کہا : "اے نوجوان، ہمارے سروں پر بزرگ موجود ہوں تو میں کیوں بتاؤں ؟"

شہزادے نے کہا : "بزرگ کون ہے اور کہاں ہے ؟"

بوڑھا بولا : "وہ ہمارا اُستاد اَرغنُون ہے اور دُنیا کا کوئی ساز ایسا نہیں جو وہ نہ بجا سکتا ہو۔ یہاں سے سو مکانوں کے بعد اُس کا مکان ہے۔"

شہزادے نے کہا : "میں اَرغنُون اُستاد سے ملنا چاہتا ہوں۔ یا تو مُجھے اُس

کے پاس لے چلو، یا اسے یہاں بُلا لاؤ۔"

یہ بات سُن کر بُڈّھا طیش میں آیا اور کہنے لگا: "اے نوجوان، زبان سنبھال۔ ہمارے اُستاد کی شان میں یہ گستاخی کہ وہ تیرے پاس چل کر آئیں۔ خبر دار! آئندہ ایسی بات مُنہ سے نہ نکالیو ورنہ تُو جانے گا۔"

"بڑے میاں تُم تو ہوا سے لڑتے ہو۔" شہزادے نے کہا۔ "اگر تمہارے اُستاد کے پاؤں میں مہندی لگی ہے اور وہ یہاں نہیں آسکتے تو مُجھے ہی اُن کے پاس لے چلو۔ ذرا دیکھوں، وہ کتنے پانی میں ہیں۔"

اُس بُوڑھے کا نام ضبوط تھا۔ اُس نے شہزادے کو اوپر سے نیچے تک دیکھا، پھر کُچھ سوچ کر بولا۔"

"بڑے ضدّی ہو۔ اچھّا، آؤ۔ تمھیں اُستاد کی خدمت میں لیے چلتا ہوں لیکن

ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ زبان کو لگام دیے رکھنا۔ اُستاد اَرغنُون ناک پر مکّھی نہیں بیٹھنے دیتا۔ اگر تُم نے ذرا چیں چپڑ کی تو گُدّی میں ہاتھ دے کر نکلوا دے گا۔" اُستاد اَرغنُون کوئی دو سو برس کا بُڈّھا تھا۔ اُس نے شہزادے کو عزّت سے بِٹھایا اور تمام مکانوں میں پیغام بھجوا دیا کہ ایک معزّز اور عالی وقار مہمان تشریف لائے ہیں۔ جتنی گانے والیاں ہیں، سب آ جائیں۔ غرض تین روز تک اَرغنُون نے شہزادے کو اپنا مہمان بنائے رکھا۔ لذیذ کھانے کھلائے اور عمدہ عمدہ گانے بھی سُنوائے۔ خود بھی بانسری پر اپنا کمال دکھایا۔ چوتھے روز شہزادے نے کہا:

"اُستاد، تُم نے دِل خُوش کر دیا۔ اب کُچھ کیفیّت یہاں کی بیان کرو کہ اِس تیسرے طبقے میں کیا ہے؟"

اَرغنُون نے جواب دیا: "یہاں کے بادشاہ کا نام ظفر نوش جِن ہے، اور

اُس کے پایۂ تخت کا نام سیمیں حِصار ہے۔ ایک اُس کی بیٹی ہے جسے مَلِکہ روح بخش کہتے ہیں۔ وہ بے حد خوب صُورت پری ہے۔ یہ باغ اُس کی سیر گاہ اور نام اُس کا عِشرت سرا ہے۔ ہم سب اُس پری کے نوکر ہیں اور اُس کی کنیزوں کو موسیقی کی تعلیم دیتے ہیں۔

ہفتے میں ایک مرتبہ مَلِکہ باغ میں سیر کو آتی ہے۔ موسیقی میں اُسے بھی کمال حاصل ہے۔ آج چھ دِن ہو گئے۔ کل وہ باغ میں آئے گی، لیکن جب وہ آتی ہے تو کسی مرد کو باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صرف چار بُوڑھے پہرے دار اندر جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو اُس کی سزا موت ہے۔"

شہزادے نے کہا: "اُستاد، میں تو مہمان ہوں۔ مُجھے ضرور باغ میں اپنے ساتھ لے چلنا۔ میں مَلِکہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" اَرغنُون نے کہا۔ "اگر مَلِکہ کو پتا چل گیا کہ کوئی اجنبی باغ میں موجود ہے تو تمہارے ساتھ میرا زن بچّہ بھی کولھو میں پِلوا دیا جائے گا۔"

شہزادے نے کہا: "کُچھ خبر بھی ہے، میں کون ہوں؟ سُن لو کہ میں اِس طِلسم کا فاتح ہوں اور اتنی قُدرت رکھتا ہوں کہ تمہاری اجازت کے بغیر ہی باغ میں چلا جاؤں لیکن بہتر یہی ہے کہ یہ سعادت تُم حاصل کرو۔"

یہ سُن کر اَرغنُون تھرّا گیا۔ گردن جھُکا کر بولا: "اے جوان، اگر تو میری موت ہی پر راضی ہے تو کیا مُضائقہ۔ میں کُچھ فکر تُجھے باغ میں لے جانے کی کرتا ہوں۔"

اگلے روز مَلِکہ روح بخش بڑی شان و شوکت سے باغ میں آئی۔ اَرغنُون شہزادے کو لے کر حاضر ہوا۔ مَلِکہ نے غضب ناک ہو کر کہا:

"اے بُڈّھے، کیا تُو سٹھیا گیا ہے؟ تُجھے یاد نہیں رہا کہ اِس باغ میں اجنبی کا آنا منع ہے۔"

اَرغنُون نے ادب سے ہاتھ باندھ کر شہزادے کا تعارف کرایا۔ مَلِکہ سُنتی رہی۔ پھر کہنے لگی:

"میں تمہاری خطا معاف کرتی ہوں۔ خبردار! آئندہ ایسی گُستاخی ہرگز نہ ہو، ورنہ سولی پر لٹکا دوں گی۔"

یہ کہہ کر شہزادے کے لیے کُرسی منگوائی اور خود بڑی شان سے اپنے تخت پر بیٹھی رہی۔ پھر گانے بجانے کی محفل تھی۔ آخر میں مَلِکہ نے چنگ سنبھالا اور گانا شروع کیا۔ اُس کی آواز اِس قدر سُریلی تھی کہ سر دُھننے لگا۔ آخر بے ہوش ہو گیا۔

آنکھ کھُلی تو وہاں کُچھ نہ تھا۔ اپنے آپ کو اُسی باغ میں پڑے پایا۔ لَوح نکال کر دیکھی۔ لکھا تھا:

"جب پری رُوح بخش کا گانا تمہیں مست کرے تو خود بھی عِلم موسیقی حاصل کرنے کی فکر کرو کہ یہ اِس طِلسم کی خاصیّت ہے۔ اِس باغ کی دائیں دیوار کے ساتھ ساتھ سو قدم چلو۔ ایک بُرج کے نیچے پہنچو گے۔ اُس بُرج کے سائے میں شمشاد کا درخت ہے۔ اُس کی تمام شاخیں سبز ہیں۔ صرف ایک شاخ سفید ہے۔ اُس سفید شاخ کو اپنی تلوار سے کاٹ ڈالنا۔ دو دیو دائیں بائیں نمودار ہوں گے۔ ایک کا رنگ سفید، دوسرے کا سیاہ ہو گا۔ سفید دیو زیادہ غُل مچائے گا۔ تُم اُس کی طرف بالکل دھیان نہ دینا اور کالے دیو کو قتل کر ڈالنا۔

سفید دیو تم سے کُشتی لڑے گا۔ اسمِ اعظم پڑھ کر اس کے بدن پر پھونک

مارنا۔ وہ پچھڑ جائے گا۔ پھر اُس کے سینے پر خنجر رکھ کر کہنا کہ اے اَبرق جِن، اگر خُدا پرستی کا دعویٰ ہے تو میرے ہاتھ سے قتل مت ہو، حالانکہ مُجھے معلوم ہے کہ اگر میں تیرے دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی توڑ دوں تو تیری موت واقع ہو جائے گی۔

اَبرق یہ بات سُن کر تمہارا غُلام ہو گا۔ اُس کو حُکم دینا کہ مُجھے وادیٔ بیضا (سفید وادی) میں پہنچا دے۔ اُس وادی میں تمام درخت زیتون کے ہوں گے اور اُس کی تمام زمین چاندی کی مانند چمکتی ہو گی۔ ہر درخت پر ایک ایک خُوش رنگ پرندہ دیکھو گے اور یہ پرندے مست ہو کر گا رہے ہوں گے۔

اِن درختوں کے درمیان ایک درخت سُرخ رنگ کا ہو گا۔ اس پر جو پرندہ گا رہا ہو گا، اُس کے بارہ رنگ ہیں اور اس کا نام موسیقار ہے۔ اُسے سلام کرنا اور کہنا کہ حضرت داؤد کے چشمے سے اپنی چونچ میں پانی بھر کر لا۔ وہ پانی

تُم پی لینا اور پھر موسیقار سے گانا سیکھنا۔ اِس کے بعد اَبرق جِن سے کہنا کہ اپنی فوج لے کر آ۔ پھر اُستاد اَرغنُون سے ملنا اور اُسے اپنا گانا سُنانا۔ چشمۂ داؤد کے پانی کی برکت سے تمہاری آواز ایسی سُریلی ہو جائے گی کہ اَرغنُون تو کیا تمام مخلوق مست ہو کر جھومنے لگے گی۔"

شہزادے نے لَوح کو بوسہ دے کر جیب میں رکھا اور باغ کی دائیں دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

زرِ نگار کا بادشاہ

شہزادہ اسماعیل نے لَوح کے ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پہلے اَبرق جن کو تابع کیا۔ وہ شہزادے کو وادیٔ بیضا میں لے گیا اور شہزادے نے موسیقار کی مدد سے حضرت داوؑد علیہ السلام کے چشمے سے پانی پیا۔ پانی پیتے ہی چودہ طبق روشن ہوئے اور ذہن موسیقی کا علم حاصل کرنے کے لیے بالکل تیّار ہو گیا۔ اس کے بعد موسیقار نے جب گانا شروع کیا تو شہزادے

نے بھی اس کی ایسی عمدہ نقل اتاری کہ اردگرد کے درخت جھومنے لگے اور چشمے کا پانی ابلنے لگا۔

شہزادہ خوش خوش مَلِکہ روح بخش کے باغ میں واپس آیا اور داستانِ اَرغنُون سے سب حال بیان کیا۔ اَرغنُون شہزادے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُس کے لیے ایک عجیب و غریب ساز بنایا جس میں سے ہزارہا قسم کے نغمے نکلتے تھے۔ شہزادے نے ایسا گانا گایا کہ استاد اَرغنُون پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ اُس نے خوش ہو کر بے اختیّار شہزادے کو گلے سے لگا لیا۔ اس روز مَلِکہ روح بخش کے باغ میں آنے کا دِن تھا، مگر وہ نہ آئی۔ اَرغنُون حیرت سے کہنے لگا:

"مَلِکہ نے باغ میں آنے کا کبھی ناغہ نہیں کیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ وہ نہیں آئی۔ خُدا خیر کرے۔"

یہ کہہ کر اپنے ایک غُلام کو خبر لینے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد آکر بتایا کہ اَصوات جن اپنے لشکر کے ساتھ آیا ہے اور مَلِکہ روح بخش کے باپ ظفر نوش جِن سے کہا ہے کہ اگر اُس نے اپنی بیٹی کی شادی اصوات سے نہ کی تو وہ قتلِ عام کر کے ساری سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔

شہزادے نے اسی وقت لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اَبرق جِن سے کہو کہ اپنا لشکر لائے۔ تُم ظفر نوش کی مدد کرنا۔ خُدا نے چاہا تو کامیابی نصیب ہوگی۔"

شہزادے نے اَبرق جِن کو حُکم دیا کہ اپنی فوج لے کر فوراً حاضر ہو۔ وہ حُکم پاتے ہی بجلی کی طرح گیا اور بارہ ہزار جِنوں کا لشکر لے کر واپس آیا۔ شہزادے نے لَوح کی ہدایت کے مطابق اَبرق جِن ہی کو اُس فوج کا سالار

بنایا اور دیر کیے بغیر سِیمیں حصار کی جانب روانہ ہو گیا۔ اپنی منزل کے
قریب پہنچ کر ایک کوہستان میں پڑاؤ کیا۔ معلوم ہوا کہ اِس رات سِیمیں حصار
میں موسیقی کی ایک محفل ہو رہی ہے، جس میں اصوات جِن اپنا کمال
دکھائے گا، کیوں کہ روح بخش پری کے باپ ظفر نوش جِن نے یہ شرط
رکھی ہے کہ جو بھی موسیقی کے فن میں اُس کی بیٹی سے بڑھ جائے گا، اُس
کی شادی اسی سے کر دی جائے گی۔

اَصوات کو بھی یہ دعویٰ تھا کہ وہ موسیقی جانتا ہے اور اُسے پورا یقین تھا کہ
وہ یہ شرط جیت کر مَلِکہ روح بخش سے شادی کرنے میں کام یاب ہو جائے
گا۔ اُس نے بڑی خوشی سے یہ شرط مان لی۔ شہزادے نے لَوح سر پر
باندھی اور صورت بدل کر اِس محفل میں شریک ہونے کے لیے روانہ
ہوا۔ اَبرق جِن کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اُس کی صورت بھی بدل دی۔ جب

وہ اِس محفل میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک طرف ظفر نوش اور اُس کے درباری گردنیں جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں اور سامنے ایک سنہری تخت پر اَصوات جِن بڑے غرور سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا ہے۔ مَلِکہ روح بخش بھی ایک پردے کے پیچھے موجود تھی۔ محفل میں بڑے بڑے نامی گرامی گوّیے اور موسیقی جاننے والے اُستاد بیٹھے تھے۔

جب محفل پوری ہوئی اور سب حاضر ہو چکے تو اَصوات جِن نے ظفر نوش سے کہا: "اب کیا دیر ہے؟ گانا بجانا شروع کیا جائے۔ میں حُکم دیتا ہوں کہ پہلے مَلِکہ روح بخش گانا سنائے۔ پھر میں سناؤں گا۔"

یہ سُن کر مَلِکہ روح بخش نے اپنی ایک کنیز کو گانے کا اشارہ کیا۔ وہ ایسا عمدہ گائی کہ تمام محفل جھومنے لگی۔ اِس کے بعد اَصوات جِن نے ساز سنبھالا اور بجانا شروع کیا۔ اس کی آواز ایسی ڈراؤنی تھی کہ پھٹے ہوئے ڈھول کی آواز

اُس سے بہتر ہوگی۔ پھر وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر گانے لگا۔ اس بھدّی اور بے سُری آواز سے ڈر کر سُننے والوں نے اپنے اپنے کان بند کر لیے اور منہ پھیر پھیر کر ہنسنے لگے۔ البتّہ اَصوات جِن کے ساتھیوں نے تعریف کے ڈونگرے برسائے۔

جب یہ بے ہودہ گانا ختم ہوا تو اَصوات نے ظفر نوش سے کہا: "اب بولو، کیا کہتے ہو؟ مُجھ سے بہتر کوئی گانے والا ہے تمہارے دربار میں؟ اگر نہیں ہے تو میں شرط جیت گیا۔ فوراً اپنی بیٹی کی شادی مُجھ سے کر دو۔"

ظفر نوش نے تیوری چڑھا کر کہا: "فی الحال آپ اپنے خیمے میں آرام فرمائیں۔ شادی کوئی بچّوں کا کھیل تو ہے نہیں کہ فوراً کر دی جائے۔ ابھی اپنی بیٹی سے اُس کی رضامندی حاصل کروں گا۔ اس کے بعد جواب دوں گا۔"

یہ سُن کر اَصوات نے غضب ناک ہو کر کہا : "بہت بہتر، پوچھ لو اس سے۔ لیکن کان کھول کر سُن لو، میں انکار ہرگز نہیں سنوں گا۔" یہ کہہ کر تخت سے اُٹھا اور بڑے غرور سے قدم اٹھاتا ہوا اپنے ساتھیوں سمیت محفل سے چلا گیا۔

ظفر نوش سخت پریشان تھا۔ اس میں اَصوات جِن سے مُقابلہ کرنے کی ہمّت نہ تھی۔ جانتا تھا کہ انکار کیا تو بڑی خوں ریزی ہو گی محل میں جا کر اپنی بیٹی روح بخش کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ مُجھے مر جانا قبول ہے، مگر اَصوات جِن سے ہرگز ہرگز شادی نہ کروں گی۔ مجبور ہو کر ظفر نوش نے اَصوات کے پاس پیغام بھیج دیا کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ تم سے جو ہو سکتا ہے وہ کر لو۔ یہ سُن کر اَصوات کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اُس وقت سیمیں حِصار کا محاصرہ کر لیا۔ ظفر

نوش نے قلعے میں پناہ لی۔

اِدھر شہزادے نے پھر اپنی صورت بدلی اور کوہ قاف کے شہزادوں کی سی وضع بنائی۔ مشہور کر دیا کہ شہزادہ منصور سفید پوش مَلِکہ روح بخش سے شادی کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ اَصوات نے یہ خبر سُنی تو تاؤ کھا کر مُقابلے کے لیے نکلا۔ بڑی سخت جنگ ہوئی۔ آخر اَصوات جِن شہزادے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جب ظفر نوش نے اَصوات کے مارے جانے کی خبر سُنی تو قلعے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور اَصوات کی فوج کو قتل کرنے لگا۔ بے شمار جِن موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ بہت سے بھاگ نکلے اور باقیوں نے اِطاعت قبول کی۔ ظفر نوش نے شہزادے کے خیمے میں آ کے شکریہ ادا کیا۔

اَبرق جِن نے کہا : "اے ظفر نوش، شکریے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنی

بیٹی کی شادی اِس خوب صورت اور بہادر شہزادے سے کردو۔"

ظفر نوش نے جواب دیا: "اس سے بڑھ کر میرے لیے خوشی اور فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ایسا شخص میرا داماد ہے جس نے ہم سب کی شریر اَصوات کے ہاتھوں جان بچائی لیکن اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کام میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میری بیٹی اس شخص سے شادی کرے گی جو موسیقی کے فن میں کامل ہو۔"

شہزادے نے مُسکرا کر کہا: "مُجھے یہ شرط منظور ہے۔"

اگلے ہی روز باغ عشرت سرا میں موسیقی کی شان دار محفل جمی اور طے پایا کہ شہزادہ بھی گائے گا اور مَلِکہ روح بخش بھی اپنا گانا سنائے گی۔ پھر اُستاد اَرغنُون فیصلہ کرے گا کہ کس کا گانا عمدہ رہا۔

مَلِکہ روح بخش اور اُس کی ماں برق نگاہ پری ایک پردے کے پیچھے بیٹھی شہزادے کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ حیرت سے کہنے لگیں کہ کیا خوب صورت اور بانکا نوجوان ہے۔ روح بخش دِل میں کہہ رہی تھی کہ اس شہزادے کی چال ڈھال اور باتوں کا انداز بالکل اس نوجوان آدم زاد کا سا ہے جو ہمارے باغ میں اَرغنُون کے ساتھ آیا تھا۔

گانا شروع ہوا۔ تین دِن اور تین راتیں برابر مَلِکہ کی کنیزیں گائیں، مگر شہزادے نے تعریف کا ایک لفظ مُنہ سے نہ نکالا۔ آخر مَلِکہ روح بخش نے خود چنگ سنبھالا اور گانا شروع کیا۔ اُس کا اثر ایسا ہوا کہ باغ میں درختوں پر بیٹھے ہوئے تمام پرندے آہستہ آہستہ مَلِکہ کے گرد جمع ہونے لگے اور محفل پر بے ہوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ تب مَلِکہ نے گانا بند کر کے شہزادے سے کہا:

"اے نوجوان، اب تمھیں لازم ہے کہ اِس سے بہتر گانا سُنا کر دکھاؤ۔ اگر تُم نے شرط پوری کر دی تو میں اپنی ہار مان لوں گی۔"

شہزادے نے یہ سُن کر اُستاد اَرغنُون کی طرف دیکھا اور پوچھا: "اے اُستاد، اگر اس وقت کوئی شخص مَلِکہ سے بہتر کمال پیش کرے تو اُس کا اثر کیا ہونا چاہیے؟"

اَرغنُون نے جواب دیا: "اتنا اثر کہ پتھرّ پگھل کر پانی ہو جائے۔"

اس باغ میں بِلّور کا ایک چھوٹا سا حوض تھا جسے کاری گروں نے بڑے کمال سے بنایا تھا۔ شہزادے نے اُس حوض کو پانی سے خالی کرایا۔ پھر اپنا وہ ساز منگوایا جو استاد اَرغنُون نے بنا کر اُس کو دیا تھا۔ شہزادے نے اس پر اسمِ اعظم پڑھ کر دم کیا۔ اتنے میں اَرغنُون تاڑ گیا کہ یہ تو وہی آدم زاد ہے جو باغ میں آیا تھا، لیکن حیران تھا کہ یہ آدمی سے جِن کیوں کر بنا؟ بہت سوچا

مگر عقل کام نہ کرتی تھی۔ آخر تھک کر غور کرنا بند کر دیا۔

شہزادے نے ساز بجا کر جوں ہی گانا شروع کیا تمام حاضرین بے ہوش ہو گئے، بِلّور پگھل گیا اور پانی بن بن کر حوض میں ٹپکنے لگا۔ یہاں تک کہ حوض میں ایک بالشت پانی جمع ہو گیا۔

شہزادے نے دیکھا کہ سب مستی کے عالم میں بے ہوش پڑے ہیں اور گانا سُننے والا کوئی نہیں تو خاموش ہو گیا۔ اس کے چُپ ہوتے ہی تمام حاضرین ایک ایک کر کے ہوش میں آنے لگے اور تعریفیں کر کر کے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔

ظفر نوش نے اُسی وقت اُٹھ کر ایک قیمتی انگوٹھی شہزادے کی انگلی میں پہنا دی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ شہزادہ شرط جیت گیا اور اب اس کی شادی مَلِکہ روح بخش سے ہو جائے گی۔ ہر طرف سے مبارک باد کی آواز میں بلند

ہوئیں۔ محفل برخاست ہوئی اور شادی کی عظیم الشّان تیّاریاں شروع ہوئیں۔ مَلِکہ روح بخش نے ابھی تک شہزادے کو نہ پہچانا تھا۔ بے تاب اور پریشان ہو کر اُستاد اَرغنُون کو طلب کیا اور بولی :

"اے اُستاد، تُم میرے باپ کے برابر ہو۔ سچ سچ بتاؤ وہ آدم زاد کہاں گیا اور یہ شہزادہ کون ہے جس نے موسیقی کے فن میں مُجھے ہرا دیا؟"

تب اَرغنُون نے قسمیں کھا کر مَلِکہ کو یقین دلایا کہ یہ وہی آدم زاد ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ مَلِکہ خوش ہو گئی۔

آخر بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ کئی روز تک شہر میں جشن رہا اور رات کو خوب چراغاں ہوا۔ ظفر نوش نے اِس خوشی میں خزانوں کے مُنہ کھول دیے اور اتنی سخاوت کی کہ رعایا نہال ہو گئی۔

باغ عشرت سرا میں ایک چھوٹی سی نہر بھی تھی، جس کا پانی چاندنی رات میں چاندی کی طرح چمکتا تھا۔ ایک رات شہزادہ اور مَلِکہ کشتی میں بیٹھے سیر کر رہے تھے کہ ناگاہ نہر میں ایک زبردست بھنور پیدا ہوا۔ کشتی اس بھنور میں پھنس کر بُری طرح چکّر کھانے لگی۔ شہزادے نے کشتی کو اُس بلا میں سے نکالنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ آخر کشتی پانی میں ڈوب گئی۔ شہزادے نے بڑی مُشکل سے اپنے آپ کو کنارے پر پہنچایا اور مَلِکہ کے غم میں بے ہوش ہو کر پڑا رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا، نہ وہ باغ ہے نہ نہر۔ وہ گُنبد کے باہر پڑا ہے۔ کُنجی ہاتھ میں ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے دیکھا کہ اب اِس طِلسمی گُنبد کے چار طبقے رہ گئے ہیں اور تین طبقے الگ ہیں۔

اتنے میں ارقم جِن اور یکتاش دوڑے دوڑے آئے اور آن کر ادب سے

شہزادے کو سلام کیا۔ شہزادے نے جو گزری تھی، اوّل سے آخر تک بیان کی۔ پھر لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، تین طبقوں کی فتح مبارک ہو۔ اب پیر کے روز خُدا کا نام لے کر چوتھے طبقے کی جانب روانہ ہو جانا۔ ضرورت پڑے تو لَوح سے مشورہ کر لینا۔"

پیر کے روز شہزادہ اس کُنجی سے گُنبد کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ کُچھ فاصلہ اندھیرے میں طے کیا۔ اِس کے بعد ایک صحرا میں پہنچا۔ سارا دِن چلتا رہا۔ صحرا ختم ہونے میں نہ آیا۔ سورج غروب ہوا تو پانی کے ایک چشمے کے قریب رُکا۔ وضو کر کے نماز ادا کی۔ چشمے سے کُچھ فاصلے پر ایک پرانی عمارت بھی دِکھائی دی۔ اِس عمارت میں سے کسی کے رونے کی دردناک آواز آئی۔ حال دریافت کرنے کے لیے اِس عمارت میں گیا۔ کیا دیکھا کہ

مُصلّے پر ایک فقیر بیٹھا مناجات میں مشغول ہے اور آہ وزاری کرتا ہے۔ قدموں کی آہٹ پاکر فقیر نے نگاہ اُٹھائی۔

شہزادے نے سلام کیا اور پوچھا: "آپ کون ہیں اور اس عمارت میں کب سے ہیں؟"

فقیر نے سلام کا جواب دے کر کہا: "آؤ نوجوان، یہاں آرام سے بیٹھو۔ جو کھانا حاضر ہے، شوق سے کھاؤ۔ جب تک جی چاہے یہاں رہو۔ میں اپنی حاجت اُس شخص سے بیان کروں گا جس میں اسے پوری کرنے کی قابلیت پاؤں گا۔"

یہ سُن کر شہزادہ خاموش ہوگیا۔ فقیر نے اسے کھانا کھلایا اور ایک گوشے میں بستر بچھا دیا۔ شہزادہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ لیٹتے ہی غافل ہو کر سو گیا۔ منہ اندھیرے آنکھ کھلی۔ جانے دِل میں کیا خیال آیا، فقیر سے اجازت لیے

بغیر چلا گیا۔ تمام دِن بھوکا پیاسا صحرا میں چلتا رہا۔ کہیں منزل کا نشان نہ پایا۔ آخر سورج غروب ہونے کے بعد خود بخود گھوم پھر کر اس عمارت کے قریب پہنچ گیا۔

اس مرتبہ پھر اُس فقیر نے شہزادے کا استقبال کیا۔ ایک مرغ ذبح کر کے پکایا اور شہزادے کو کھلایا۔ شہزادے نے کہا کہ آپ بھی کھائیے۔ تب فقیر نے ایک دو لقمے لیے اور پھر مُصلّے پر بیٹھ کر آہ و زاری میں مشغول ہوا۔ شہزادے نے کہا:

"اے درویش، تُم نے بیان نہ کیا کہ کس مُصیبت میں گرفتار ہو؟"

درویش نے کہا: "اے نوجوان، اگر قسمت میں بیان کرنا لکھا ہے تو ضرور بیان کروں گا۔"

شہزادے نے خیال کیا کہ یہ فقیر کوئی دیوانہ ہے۔ رات بھر وہاں آرام کر
کے صُبح پھر اُس سے پوچھے بغیر چل نکلا۔ دِن بھر صحرا میں مارا مارا پھرتا رہا
اور شام کے وقت آپ ہی آپ پھر اُس عمارت کی طرف آ نکلا۔ سخت
حیران ہو کر لَوح پر نگاہ ڈالی کہ یہ ماجرا آخر کیا ہے۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، چوتھے طبقے میں پہلے ایک فقیر کے تکیے میں پہنچو گے۔
وہ دو روز تک تم سے اپنا حال نہ کہے گا اور تم صحرا میں مارے مارے
پھرنے کے بعد پھر اُس تکیے میں واپس آؤ گے۔ تیسرے روز وہ فقیر تُم
سے اپنا حال بیان کرے گا۔ تم کہنا کہ اے فقیر، حوصلہ رکھ میں تیری
حاجت ان شاء اللہ روا کروں گا۔"

لَوح کی یہ عبارت دیکھ کر شہزادے کو اطمینان ہوا۔ خوش خوش اس
عمارت میں داخل ہوا۔ فقیر نے شہزادے کو دیکھا تو پکار اُٹھا:

”مرحبا! خوش آمدید! کہاں چلے گئے تھے، اے نوجوان؟“

شہزادہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ فقیر نے جلدی جلدی پانی گرم کر کے شہزادے کے پاؤں دھلائے۔ پھر طرح طرح کے لذیذ کھانوں سے اُس کی تواضع کی۔ اس کے بعد ایک عجیب قسم کا ساز نکال کر گانا شروع کیا۔ شہزادے نے ہنس کر کہا:

”اے درویش، کیا آج اپنی کہانی بیان کرو گے؟“

درویش نے کہا: ”اگر اجازت دو تو عرض کروں۔“

شہزادے نے کہا: ”میں تو پہلے ہی روز سے تمہاری داستان سُننے کا مُشتاق ہوں۔ اب دیر نہ کرو۔ میں بے صبر ہو رہا ہوں۔

درویش نے ٹھنڈی آہ بھر کر یوں اپنا قصّہ سُنایا:

"اے نوجوان، میں اصل میں ملکِ زرنگار کا بادشاہ ہوں اور میرا نام خورشید زرّیں ہے۔ بیوی مر چکی ہے۔ بیٹی تھی جس کا نام میں نے مَلِکہ جہاں افروز رکھا تھا۔ میری سلطنت بڑی تھی اور تمام خزانے ہر قسم کے مال اور دولت سے بھرے رہتے تھے۔ امیروں اور وزیروں نے عیش و عشرت میں ڈال دیا اور میں سلطنت کے کاموں سے غافل ہوتا چلا گیا۔ میرا وزیر اندر سے میرا دُشمن تھا۔ ظاہر میں بڑا خیر خواہ اور دوست بنا رہتا، لیکن بڑا منافق تھا۔ میری سلطنت کے برابر میں ایک اور ملک ہے جسے ثمر نگار کہتے ہیں۔ وہاں کے بادشاہ کا نام اَثمار تھا۔ میرا وزیر اُس کے وزیر سے کُچھ رشتے داری رکھتا تھا۔ دونوں نے سازش کی اور اَثمار فوجیں لے کر میرے ملک پر چڑھ آیا۔

میرے امیروں اور وزیروں نے آخر وقت تک مُجھے دھوکے میں رکھا کہ

ہماری فوجیں جیت رہی ہیں، لیکن معاملہ اس کے بر عکس تھا۔ بعد میں میں نے قلعے میں پناہ لی، مگر دُشمنوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ قلعے کے ساتھ ہی دریا بہتا تھا۔ ایک رات میں اپنی بیٹی کو لے کشتی میں بیٹھے فرار ہو گیا اور کُچھ مال لے کر افراسیہ کی جانب چلا گیا۔ میرے چچا کا بیٹا افراس ملک افراسیہ کا بادشاہ تھا۔

اندھیری رات، دریا کا سفر، دِل بے چین، غرض سخت مُصیبت کا عالم تھا۔ یکایک دریا میں طوفان آیا۔ ہوا اتنی زور سے چلی کہ میری کشتی ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوئی۔ میں نے ایک تختے پر پناہ لی۔ تین روز تک وہ تختہ اسی طوفان میں پھنسا رہا۔ آخر افراسیہ کے نزدیک ایک ماہی گیر نے مُجھے دریا کے اندر سے نکالا۔ "ہوش میں آیا تو ماہی گیر کا شکریہ ادا کر کے شہر میں گیا اور اس فکر میں لگا کہ افراس زرّیں تک پہنچوں، لیکن کسی نے مُجھے تباہ حال

فقیر جان کر شاہی محل کے قریب پھٹکنے بھی نہ دیا۔ کئی دِن فاقے سے گزر گئے۔ ایک روز سُنا کہ افراس دِن جنگل میں شکار کھیلنے گیا ہے۔ میں بھی وہاں پہنچا اور موقع پا کر اپنی کہانی لکھ کر اُسے دی۔ اس نے وہ عرضی پڑھے بغیر اپنے ایک غلام کو دے دی۔ غلام نے مُجھے اپنے ساتھ لیا اور ایک مکان میں لایا اور حال پوچھا۔ میں نے سچ سچ بیان کر دیا اور کہا کہ میں ملک زر نگار کا بادشاہ اور افراس کا چچا زاد بھائی ہوں۔ یہ سُن کر غلام نے ایک زور کا طمانچہ میرے مُنہ پر مارا اور بولا:

"اے گُستاخ فقیر، تو جھوٹ بولتا ہے۔ خبر دار! آئندہ اپنے آپ کو افراس کا رشتے دار کہا تو زبان گدّی سے کھینچ لوں گا۔"

غلام کی یہ حرکت ایسی تھی کہ میں ضبط نہ کر سکا اور اس زور سے گھونسا اُس کی گردن پر مارا کہ منہ چوٹی کی طرح گھوم گیا۔ اس پر ہیبت طاری ہو گئی۔ بھاگا

بھاگا افراس کے پاس گیا اور سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ افراس طیش میں آیا اور مُجھے طلب کر کے سارا حال پوچھا، میں نے اپنی سرگزشت سُنائی۔ افراس نے مُجھے پہچانا اور اُٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اس کے بعد جلّاد کو بُلا کر حُکم دیا کہ اِس بد تمیز غُلام کی پیٹھ پر سو کوڑے مارو۔ اس نے میرے بھائی کے ساتھ گُستاخی کی ہے۔ میں نے ہر چند غلام کو معاف کر دینے کی سفارش کی مگر افراس نے ایک نہ سُنی۔ جلّاد نے اس کی پیٹھ پر کوڑے برسائے اور سزا پوری کی۔

میں اپنی وزارت کا فرض ایمانداری اور محنت سے انجام دینے لگا۔ افراس کے درباری اور وزیر مُجھ سے حسد کرنے لگے، لیکن ظاہر میں بڑی محبّت سے پیش آتے۔ انھوں نے مُجھ سے دوستی کی پینگیں بڑھائیں اور آخر کار مُجھے عیش و عشرت کی راہ پر لگا دیا۔ وہ غلام جسے کوڑوں کی سزا ملی تھی،

میرا سخت دُشمن بن گیا۔ مگر جب میرے سامنے آتا، ہاتھ پاؤں چومتا اور یہ ظاہر کرتا کہ وہ میرا بڑا مخلص ہے۔ اس نے میرے بارے میں جھوٹی سچّی کہانیاں افراس کو سُنائیں اور اُسے مُجھ سے اس حد تک ناراض کر دیا کہ ایک دِن بھرے دربار میں وہ مُجھ سے ناراض ہوا اور وزارت کا قلم دان مُجھ سے چھین کر اپنے وزیر کے بیٹے کے سپرد کر دیا۔ مُجھے شہر کا داروغہ بنا دیا جو امیروں اور وزیروں میں سب سے گھٹیا عہدہ تھا۔

افراس کے ایک وزیر کی لڑکی تھی۔ ایک روز وہی غُلام اُس وزیر زادی کو بے ہوش کر کے میرے مکان میں ڈال گیا۔ مُجھے اس کی خبر نہ ہوئی۔ اِدھر وزیر زادی کے گُم ہونے کا غُل مچا۔ شہر میں ڈھنڈیا پڑی۔ غُلام نے افراس کے کان میں پھونک دیا کہ جہاں پناہ، ہو نہ ہو وزیر زادی کو آپ کے چچا زاد بھائی نے اغوا کیا ہے۔ اگر اس کے مکان کی تلاشی لی جائے تو

وزیر زادی وہاں سے بر آمد ہو جائے گی۔

قصّہ مُختصر، افراس اُس وقت سپاہیوں اور غلاموں کو لے کر میرے مکان پر چڑھ آیا اور وزیر زادی کو بر آمد کر لیا۔ میں نے لاکھ قسمیں کھائیں کہ اِس واقعے کا مُجھے کُچھ علم نہیں، مگر افراس نے کسی بات پر اعتبار نہ کیا اور مُجھے گرفتار کر کے لے گیا۔

اگلے روز جلّاد آیا اور مُجھے پکڑ کر لے گیا۔ میرے کپڑے اُتار کر آنکھوں پر پٹّی باندھی گئی اور جلّاد نے میری گردن اُڑانے کے لیے تلوار بُلند کی۔ اُس وقت ایک آواز آئی، اسے کیوں قتل کرتے ہو؟ یہ بے گناہ ہے۔ یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ تھوڑی دیر بعد جلّاد نے میری آنکھوں سے پٹّی کھول دی اور میں نے دیکھا کہ یہ عورت افراس کی بیٹی، زیبا ہے۔ دراصل اُسے غُلام کی شرارت کا پتا چل گیا تھا۔ اس نے دربار میں غُلام کو ڈانٹا۔ غُلام

نے گُستاخی سے جواب دیا۔ زیبا طیش میں آئی اور خنجر نکال کر غُلام کے سینے میں گھونپ دیا۔ وہ اُس وقت مر گیا۔ دربار میں ہنگامہ برپا ہوا۔ میں موقع پا کر وہاں سے نکل بھاگا اور سیدھا صحرا میں آکر دم لیا۔ دس روز تک برابر چلتا رہا۔ آخر اس عمارت میں آیا۔ یہاں ایک خُدا رسیدہ درویش رہتا تھا۔ اُسے میں نے اپنا قصّہ سُنایا۔ اس نے کہا :

"اے خورشید، ابھی میری زندگی کے سات دِن باقی ہیں۔ جب مر جاؤں گا تو مُجھے دفن کر کے یہاں قیام کرنا۔ ایک دِن ایک شہزادہ آئے گا۔ وہ تُجھے تیری منزل تک پہنچائے گا۔ اس شہزادے کی علامت یہ ہے کہ وہ تین روز تک اِس تکیے میں پہنچے گا۔ جب تیسرے روز آئے، تب اُس سے اپنی داستان کہنا۔ وہ درویش ٹھیک سات دِن بعد مر گیا اور اس کا کہنا اب پورا ہوا۔"

سنہری جزیرے کی بلائیں

شہزادہ خورشید زرّیں کی رام کہانی سُن کر نہایت حیران ہوا اور پوچھا : "اے بادشاہ، تیرا ملک یہاں سے کتنی دور ہے ؟"

اس نے جواب دیا : "مُجھے نہیں معلوم ۔"

شہزادے نے کہا : "خُدا پر بھروسا کر کے یہاں سے نکل چلو۔"

دونوں اِس عمارت سے نکلے اور صحرا میں ایک جانب چل پڑے ۔ چار روز

بعد دریا کے کنارے ایک آبادی میں پہنچے۔ اس آبادی کا حال ایک شخص سے پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ یہ آبادی ملک زرنگار کا ایک حصّہ ہے۔ عینیہ اِس کا نام ہے اور محمود سُرخ پُوش یہاں کا حاکم ہے۔

شہزادہ اسماعیل خورشید زرّیں کو محمود سُرخ پوش کے پاس لے گیا اور اُس سے کہا کہ میں علیحدگی میں آپ سے کُچھ کہنا چاہتا ہوں۔ محمود اُسی وقت اُٹھ کر الگ کمرے میں انہیں لے گیا اور بولا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ شہزادے نے خورشید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اس شخص کو پہچانو اور بتاؤ کون ہے؟"

محمود نے غور سے خورشید کی شکل دیکھی اور کہنے لگا: "ہو نہ ہو یہ ہمارا بادشاہ خورشید زرّیں ہے۔"

شہزادے نے کہا: "اے محمود، تُجھ پر خُدا کی رحمت ہو۔ خوب پہچانا۔ اب

بتا اِس کے حق میں تیرا ارادہ کیا ہے؟"

محمود نے کہا: "سچ پوچھو تو کل تک یہ سوچتا تھا کہ جس جگہ اِسے پاؤں، قید کر کے اَشمار شاہ کے پاس بھیج دوں لیکن آج خود کو جاں نثاری پر آمادہ پاتا ہوں۔"

شہزادے کو محمود کی باتوں سے سچّائی کی بُو آئی۔ خورشید زرّیں کو اس کے پاس چھوڑا اور خود زر نگار کی جانب روانہ ہوا۔ شہر کو آباد اور خلقت کو خورشید کا وفادار پایا۔ خورشید کے نمک حرام وزیر کو اَشمار بادشاہ نے قتل کرا دیا تھا اور دوسرے امیر وزیر بھی اُس کی نگاہوں سے گِرے ہوئے تھے۔ سچ ہے، بے وفاؤں اور غدّاروں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ لوگ اَشمار شاہ کے ظُلم سے بھی تنگ آ چکے تھے اور اپنے سابق بادشاہ خورشید کو چُپکے چُپکے یاد کر کے آنسو بہاتے تھے۔

یہ سب حالات دیکھ کر شہزادہ واپس عینیہ میں آیا اور محمود کو ہدایت کی کہ اپنی فوج میں اضافہ کرو۔ چند روز کے اندر اندر فوج کے سپاہیوں کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ ایک اچھّی گھڑی دیکھ کر شہزادے نے خورشید کو شاہی تخت پر بٹھایا اور اُس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بہت جلد یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی۔ اَثمار شاہ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن شہزادے نے اپنی فوج کو تیزی کے ساتھ زر نگار تک پہنچایا اور اَثمار کو اُس کی فوج سمیت گھیر لیا۔ صُبح سے شام تک تلوار چلی۔ دونوں طرف کے ہزاروں سپاہی قتل ہوئے۔ آخر اَثمار شہزادے کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا اور اُس کی لاش گھوڑوں کے سموں تلے روند ڈالی گئی۔

شہزادے نے اب زر نگار کی سلطنت خورشید کو سونپی اور محمود کو ثمر نگار کی

حکومت عطا کی۔ خورشید نے شہزادے سے کہا کہ میری ایک خواہش اور ہے اور وہ یہ کہ افراس کی بیٹی زیبا سے میری شادی ہو جس نے میری جان جلّاد کے ہاتھوں سے بچائی تھی۔ شہزادے نے کہا، خُدا نے چاہا تو تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہوگی۔

اب شہزادے نے افراس کے نام خورشید سے ایک خط لکھوایا اور چار ہزار سپاہی لے کر بیس روز میں وہاں پہنچا۔ جب افراس کو اطلاع ملی کہ خورشید کا ایلچی آیا ہے تو حیران ہو کر بولا :

"یہ کون خورشید ہے ؟ وہی میرا چچا زاد بھائی جسے میں نے وزیر بنایا تھا یا یہ کوئی اور خورشید پیدا ہوا ہے ؟"

اُس کا ایک وزیر عقل مند تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ ایلچی کو دربار میں طلب فرمائیے۔ ابھی سب بھید کھلا جاتا ہے۔"

افراس نے اُسی وزیر کو اپنا ایلچی بنا کر شہزادے کے استقبال کو روانہ کیا۔ جب شہزادہ بارگاہ میں آیا، افراس نے کھڑے ہو کر تعظیم کی اور تخت پر بڑی عزّت سے بٹھایا۔ شہزادے نے پہلے تو سب حال زبانی کہا، پھر خورشید کا خط نکال کر دیا۔ خط پڑھ کر افراس کا چہرہ مارے طیش کے سُرخ ہو گیا۔ کہنے لگا:

"خورشید کی تمام باتیں قبول، لیکن اُس سے اپنی بیٹی کی شادی ہر گز نہ کروں گا۔"

شہزادے نے کہا: "خورشید بڑی فوج کا مالک ہے۔ وہ اپنی خواہش پوری کیے بغیر نہ مانے گا اور خواہ مخواہ دونوں طرف کے ہزار ہا پہلوان اور سپاری مارے جائیں گے۔"

افراس نے جواب دیا: "کُچھ ہرج نہیں۔ میں جنگ کے لیے پوری طرح

تیّار ہوں۔"

شہزادے نے یہ سُن کر شمشیرِ جمشیدی نیام سے کھینچی اور کہا: "اعلان جنگ ہوچکا۔ کوئی ہے جو میرے مُقابلے میں آئے؟"

افراس کے ایک زبردست پہلوان کا نام اسکال تیغ زن تھا۔ اس نے للکار کر شہزادے سے کہا:

"اے بے وقوف نوجوان، کیا اِسی دربار میں جنگ کرنے کا ارادہ ہے؟ بہتر یہی ہے کہ اپنی تلوار نیام میں واپس رکھ لے، ورنہ اتنا ماروں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔"

شہزادے نے کہا: "زیادہ بک بک نہ کر۔ اگر بازو میں کُچھ جان اور دِل میں حوصلہ ہے تو آگے آ۔"

یہ سُنتے ہی اسکال تیغ زن نے بھی اپنی تلوار نیام سے کھینچی اور شہزادے پر حملہ کیا۔ شہزادے نے اپنی تلوار پر اُس کا وار روکا اور جواب میں اس زور سے تلوار ماری کہ اسکال کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی سینے تک آئی۔ ایک دردناک چیخ کے ساتھ اسکال اوندھے منہ زمیں پر گرا اور تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد مر گیا۔

افراس تخت پر سکتے کے عالم میں بیٹھا تھا۔ شہزادے نے بڑھ کر اسے اُٹھا لیا اور چاہا کہ زمین پر دے مارے کہ ایک بُوڑھا وزیر ہاتھ باندھ کر آگے آیا اور بولا :

"اے جوان، ہمارے بادشاہ کی جان پر رحم کر اور اسے چھوڑ دے۔ تیرا منشا ہم پورا کیے دیتے ہیں۔"

شہزادے نے افراس کو رہا کیا۔ اتنے میں شہزادے کا لشکر تمام شہر پر قبضہ

کر چکا تھا۔ اگلے روز خورشید زرّیں کی شادی زیبا سے ہوئی۔ خورشید نے شہزادے کے قدموں کو بوسہ دیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگا :

"اے میرے آقا، تو نے مُجھے سلطنت دلائی اور شادی بھی کرادی۔ اب آخری خواہش بھی پوری کر دے اور وہ یہ ہے کہ میری گُم شدہ بیٹی کو بھی مُجھ سے ملا دے۔"

شہزادے نے کہا : "اگر خُدا کو منظور ہے تو یہ مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔"

شہزادہ اور خورشید زرّیں ایک دِن بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ چوب دار نے خواجہ تصویر کے حاضر ہونے کی اطلاع دی۔ شہزادے نے حیرت سے پوچھا :

"یہ کون شخص ہے؟"

خورشید نے جواب دیا: "ایک نام ور سوداگر ہے۔ اصل نام اس کا خواجہ بشّر ہے، مگر تصویر بنانے میں بڑی مہارت رکھتا ہے اس لیے خواجہ تصویر کے نام سے مشہور ہو گیا۔"

یہ کہہ کر چوب دار کو حُکم دیا کہ سوداگر کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ سوداگر نے آن کر دونوں کو فرشی سلام کیا۔ پھر ایک صندُوقچہ کھول کر طرح طرح کی تصویریں دکھانے لگا۔ مُلک مُلک کی تصویریں تھیں۔ انھی میں ایک تصویر شہزادے نے دیکھی کہ آسمان سے باتیں کرتا پہاڑ ہے اور پہاڑ کے دامن میں ایک دریا بہہ رہا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک باغ ہے جس میں اُونچے اُونچے درخت ہیں۔ درختوں کی شاخوں پر بڑے بڑے پنجرے لٹکے ہیں۔ بعض پنجرے سونے کے ہیں، بعض لوہے کے۔ ہر پنجرے میں ایک

عورت بند ہے۔ انہی میں ایک خوب صورت لڑکی بھی ہے۔جس کی عمر دس گیارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ جوں ہی اُس تصویر پر خورشید زرّیں کی نگاہ پڑی تو آہ کھینچ کر بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو بہت رویا اور کہنے لگا :

"اے شہزادے، یہی میری گُم شُدہ بیٹی جہاں افروز ہے۔ خُدا جانے اس پر کیا آفت آئی ہے۔"

شہزادے نے سوداگر سے پوچھا : "یہ تصویریں تمہیں کہاں سے ملیں؟"

اس نے جواب دیا : "حضور، یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ کُچھ عرصہ پہلے میں اپنے غلاموں کے ساتھ اس علاقے میں پہنچا۔ یہ دراصل ایک جزیرہ ہے جسے طلائیہ کہتے ہیں۔ یہاں سنہری بلاؤں کی حکومت ہے۔ میں نے وہاں درختوں کی شاخوں میں لٹکتے ہوئے بڑے بڑے پنجرے اور

اُن میں قید عورتیں دیکھیں۔ ابھی اِن عورتوں سے اُن کی داستان سُننے بھی نہ پایا تھا کہ بلائیں آن پہنچیں۔ انھوں نے میرے بہت سے غُلاموں کو ہلاک کر دیا۔ میں نے بڑی مُشکل سے اپنی جان بچائی۔

شہزادے نے اُس وقت خواجہ تصویر کو اپنے ساتھ چلنے کا حُکم دیا۔ خورشید زرّیں نے تین ہزار سپاہی شہزادے کے ہمراہ کیے۔ وہ دِن رات منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے جزیرہ طلائیہ میں داخل ہوئے۔ پورا جزیرہ سر سبز اور شاداب پایا۔ یہاں آ کر شہزادے نے لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا :

"چار ہزار سنہری بلائیں اِس جزیرے اور پہاڑ پر رہتی ہیں۔ پہاڑ پر ایک چشمہ ہے۔ وہ اُس میں نہاتی ہیں تو اُس چشمے کے پانی کے اثر سے اُن کے بال سُنہری ہو جاتے ہیں۔ اگر جی چاہے تو تُم بھی اس چشمے پر جاؤ اور اُس کا پانی

حاصل کرو۔ جس چیز پر ڈالو گے، اس کا رنگ سنہری ہو جائے گا، جیسے چمکتا ہوا سونا۔ بلاؤں کو اپنی تلوار اور تیر کمان سے موت کے گھاٹ اُتارو۔ اُن کے سردار کا نام لمعاج روئیں تن ہے۔ اُس پر تمہاری تلوار اور تیر کچھ اثر نہ کریں گے۔ سُنہری پانی کے چشمے کے پاس ہی ایک دوسرا چشمہ ہے، جس کا رنگ کالا ہے۔ کِسی تدبیر سے لمعاج کو اُس چشمے میں گراؤ۔ غرق ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔"

شہزادہ دوسرے روز لَوحِ زُحل کو سر پر باندھ کر پہاڑ کی چوٹی پر گیا۔ دیکھا کہ اکثر درختوں پر پنجرے لٹکے ہیں۔ ہر پنجرے میں کوئی نہ کوئی عورت قید ہے۔ وہ بے چاری پنجرے کے اندر گاتی ہے اور باہر بلائیں ناچتی ہیں۔ شہزادے کو لَوح کی وجہ سے کسی نے نہ دیکھا۔ وہ ایک الگ درخت کے قریب گیا۔ اُس کے پاس ہی سنہری چشمہ بہہ رہا تھا۔ دیکھا کہ لمعاج روئیں

تن چشمے میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ اُس کا قد کوئی سو گز کا ہو گا۔ بہت بڑا سونے کا ایک طوق اُس کی گردن میں پڑا ہے۔ ایک پنجرا درخت پر لٹک رہا ہے اور اُس میں شہزادی جہاں افروز بند ہے۔ دائیں بائیں اور پنجرے بھی ہیں جن میں عورتیں قید ہیں۔

شہزادے نے لَوح سر سے اُتاری اور خود کو ظاہر کر دیا۔ اُس کے سپاہی بھی وہاں پہنچ گئے۔ بلاؤں نے جب انہیں دیکھا تو خوش ہو کر اُن کی طرف دوڑیں تا کہ پھاڑ کھائیں۔ سپاہیوں نے انہیں تیروں سے ہلاک کرنا شروع کیا لیکن جو بلا قریب پہنچ جاتی تھی، وہ سپاہیوں کو پکڑ پکڑ کر زمین پر دے مارتی تھی۔ انہوں نے شہزادے کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا، لیکن جامِ جم اور لَوح کی برکت سے اُن کا کوئی وار شہزادے پر اثر نہ کرتا تھا۔ شہزادے نے شمشیر جمشیدی سے خوب خوب جوہر دِکھائے اور کُشتوں کے پُشتے لگا

دیے۔ لمعاج نے جو دیکھا کہ ایک چھوٹا سا آدمی قیامت برپا کر رہا ہے تو طیش میں آ کر شہزادے کو کچّا چبا جانے کے لیے دوڑتا ہوا آیا اور لوہے کے کئی من وزنی گُرز سے حملہ کیا۔ شہزادے نے اُس کا حربہ خالی دے کر شمشیرِ جمشیدی سے ایک ضرب لگائی مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

شہزادہ سمجھ گیا کہ لَوح نے جو کُچھ بتایا تھا، درست ہے۔ چنانچہ لمعاج کو جنگ میں اُلجھا کر آہستہ آہستہ اُسے کالے پانی کے چشمے کی طرف لے گیا۔ عین چشمے کے کنارے لمعاج کا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے پانی میں جا گِرا۔ چشمے میں گِرتے ہی اُس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کا سارا حصّہ آناً فاناً یوں گل کر پانی ہو گیا جیسے اُسے تیزاب میں ڈال دیا گیا ہو۔ چند لمحوں میں اُس ظالم کا نشان تک باقی نہ رہا۔ شہزادے نے خُدا کا شکر ادا کیا۔

اِس عرصے میں بلاؤں نے بھی شہزادے کی فوج کے بے شمار سپاہی مار

ڈالے تھے۔ شہزادہ اُن کی طرف متوجّہ ہوا اور اتنی تیزی سے تلوار چلائی کہ چند ساعتوں ہی میں ایک بھی زندہ نہ بچی۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے پنجروں میں سے عورتوں کو باہر نکالا۔

جہاں افروز نے یہ کہانی سُنائی کہ جب دریا میں طوفان آیا اور کشتی تباہ ہوئی تو میں نے ابّا حضور کو نہ پایا۔ خیال ہوا کہ وہ دریا میں ڈوب گئے۔ لہروں نے مُجھے بہت دِن بعد اِس خوف ناک جزیرے میں پہنچا دیا۔ بلاؤں نے مُجھے پکڑ کر پنجرے میں بند کیا۔ مُجھ سے پہلے بھی بہت سی عورتیں انہوں نے اِسی طرح پکڑ پکڑ کر قید کر رکھی تھیں اور اُن سے گانا سُن سُن کر ناچتے تھے۔

شہزادے نے اُن سب کو کشتیوں میں سوار کر کے زر نگار پہنچایا۔ خورشید نے جشن منائے جانے کا حُکم دیا۔ شہزادہ چالیس دِن اُس مُلک میں رہا۔ اکتالیسویں روز صُبح جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ گُنبد کے باہر پڑا ہے۔ کُنجی بدستور

ہاتھ میں ہے۔ گُنبد کے تین طبقے باقی تھے اور چار الگ ہو چکے تھے۔ ابھی حیرت میں تھا کہ ارقم اور ریحتاش نے آن کر سلام کیا۔ شہزادے نے سارا قصّہ انھیں سُنایا۔

خوں خوار دُشمن

چند روز آرام کرنے کے بعد شہزادہ پانچویں طبقے کی سیر کو روانہ ہوا۔ کُنجی سے دروازے کا قُفل کھولا۔ دیر تک تاریکی میں گزرتا رہا۔ پھر روشنی میں آیا۔ خود کو ایک درّے میں پایا، جس کے دونوں جانب سُرخ پتھرّ کے پہاڑ تھے۔ سارا دِن اِس درّے کو طے کرنے میں لگا۔ شام کے وقت سیب کا ایک درخت دیکھا کہ ہر سیب یاقوت کی مانند چمکتا دمکتا تھا۔ نزدیک ہی پانی

کا ایک چشمہ تھا۔ شہزادے نے چشمے پر وضو کیا اور نماز پڑھنے کے بعد ایک
سیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سیب ایک دم بُلند ہو گیا۔ شہزادے نے
دوسرا سیب توڑنا چاہا تو وہ بھی ہاتھ کی پہنچ سے باہر ہو گیا۔

شہزادے نے لَوح کو دیکھا۔ تحریر تھا :

"آج تمہاری غذا یہی سیب ہے۔ اِس کے علاوہ کُچھ اور کھاؤ گے تو بھوک
اور بڑھ جائے گی لیکن اِس درخت پر جادُو کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیب
تمہارے ہاتھ نہیں آتے۔ جب تک دیو سر خنگ قتل نہ ہو گا، یہ جادُو مٹے
گا نہیں۔ دیو تھوڑی دیر میں آنے ہی والا ہے۔ غائب ہو کر اُس کا تماشا کرو
اور اُسے جہنّم میں پہنچاؤ۔"

شہزادہ سر سے لَوح باندھ کر غائب ہوا۔ اتنے میں دیو سر خنگ نمودار ہوا۔
اُس کا قد آسمان سے باتیں کرتا تھا اور پیر کے ناخن سے لے کر سر کے

بالوں تک رنگ خُون کی مانند سُرخ ہو رہا تھا۔ دیو نے درخت کے نزدیک پہنچ کر اپنا آہنی گُرز گھمایا اور پکار کر بولا :

"اے سُرخ سیب! تیرا کھانے والا کہاں ہے کہ اِس لوہے کے گُرز سے اُسے سُرمہ کروں؟"

وہ یہ کلمہ کئی دفعہ زور زور سے پکار کر ایک جانب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اُس دیو کے چار خادم آئے۔ وہ بھی سب کے سب دیو تھے۔ اُن کے ساتھ ایک پری بھی تھی۔

سرخنگ نے خوش ہو کر کہا : "اے لکواتہ پری تُو کب مُجھ سے شادی کرے گی؟"

اُس نے ہنس کر جواب دیا : "جب تو اِس سُرخ سیب کے کھانے والے کو

قتل کرے گا؟"

یہ سُن کر سرخنگ نے نتھنے پھلا کر فضا میں اِدھر اُدھر کُچھ سونگھا۔ پھر خوش ہو کر کہنے لگا: "آج تو ہوا میں سے آدم زاد کی بُو آتی ہے۔"

یہ کہہ کر اپنے ایک خادم کو حُکم دیا کہ جاؤ، اس آدم زاد کو تلاش کرو اور پکڑ کر ہمارے پاس لے آؤ۔ مدّت ہوئی آدمی کا گوشت نصیب نہیں ہوا۔ آج دعوت اُڑے گی۔

وہ دیو آدم زاد کی تلاش میں دُور نکل گیا۔ شہزادہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ خاصی دور جا کر شہزادے نے سر سے لَوح اُتاری۔ دیو آدم زاد! آدم زاد! کہتا ہوا خوشی سے شہزادے کو پکڑنے دوڑا، لیکن اُس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے الگ کیا۔ جب خادم کی واپسی میں دیر ہوئی تو سرخنگ نے دوسرے خادم کو روانہ کیا۔ شہزادے نے اُسے بھی جہنّم

رسید کیا۔ غرض چاروں دیوؤں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

آخر سر خنگ خود اپنے خادموں اور آدم زاد کی تلاش میں روانہ ہوا، مگر جا بجا اپنے خادموں کی خُون میں نہائی ہوئی لاشیں دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ تب شہزادے نے ایک پتھّر کی اوٹ سے ظاہر ہو کر نعرہ مارا۔ سر خنگ نے شہزادے کو دیکھا۔ سمجھ گیا کہ اِس آدم زاد کے بھیس میں موت آئی ہے۔ بھاگنے کی کوشش کی، مگر شہزادے نے ایسا تیر مارا کہ گردن میں چھید کرتا ہوا نکل گیا۔ سر خنگ دھڑام سے گِرا۔ شہزادے نے قریب پہنچ کر شمشیرِ جمشیدی سے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ اِس قدر خون سر خنگ کے بدن سے نکلا کہ ایک ندی بہہ نکلی۔

یکایک لکھوانہ پری شہزادے پر غضب ناک ہو کر جھپٹی۔ شہزادے نے اُس

پر لَوح کا عکس ڈالا تو اُس کے بال جل کر راکھ ہو گئے اور وہ بُری طرح چیختی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ شہزادے نے کہا:

"تُم پری ہو یا دیو؟" اس نے عاجزی سے کہا: "جو ہوں، مُصیبت زدہ ہوں۔ ایک بلا میرے سر سے اُتری ہے، دوسری باقی ہے۔ وہ بھی تمہاری وجہ سے جاتی رہے گی۔ اب میں رُخصت ہوتی ہوں۔ واپس آن کر سب حال بیان کروں گی۔ اِس سُرخ سیب کا نام سیب جامع ہے۔ اِس میں ہر پھل اور ہر میوے کا مزا آتا ہے۔ اب جس قدر جی چاہے، توڑ کر کھائیے۔"

لکھواتہ سے کہتے ہیں غائب ہو گئی۔ شہزادے نے سیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ شاخیں خود بخود نیچے جھکنے لگیں۔ شہزادے نے جس میوے اور جس پھل کا تصور کیا، اُس کا مزا سیب کی قاشوں میں پایا۔

وہ رات شہزادے نے اس درخت کے نیچے بسر کی۔ صُبح بیدار ہو کر نماز

پڑھی اور صحرا کی سیر کو نکلا۔ کُچھ فاصلے پر کیا دیکھا کہ زمین پر مخمل کا فرش ہے۔ جا بجا تخت اور زر نگار کرسیاں قرینے سے رکھی ہیں۔ آرائش اور زیبائش کے سامان کی انتہا ہے اور چار پانچ سو پریوں کا ہجوم ہے۔ جب انہوں نے شہزادے کو دیکھا، خوشی کے نعرے بلند کیے۔ تین چار سو پریاں استقبال کو دوڑیں۔ اُن کے درمیان میں ایک ایسی پری بھی تھی جو سب سے خوب صورت نظر آتی تھی۔ کوئی پری شہزادے کے قدموں میں گری، کوئی بلائیں لینے لگی۔ شہزادے نے کہا، معاملہ کیا ہے؟ مُجھ پر یوں واری صدقے ہونے کا مطلب؟

پریوں نے جواب دیا۔ "اے نوجوان تمھارے کرم سے ہم نے اپنی گُم شدہ شہزادی کو پایا۔ اس لیے تمھیں دعائیں دیتے ہیں۔" شہزادے نے پوچھا: "وہ کون شہزادی ہے؟"

پریوں نے اُس خوب صورت نازنین پری کی طرف اشارہ کیا۔ شہزادے نے اسے غور سے دیکھ کر کہا: "میں نے اِس سے پہلے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔ حیران ہوں تُم کیا کہہ رہی ہو! معلوم ہوتا ہے تمھیں کُچھ دھوکا ہوا ہے۔"

تب اُس نازنین پری نے ہنس کر کہا: "میں وہی ہوں جسے سر خنگ دیو لکواتہ پری کہتا تھا اور آپ نے مُجھ سے پوچھا تھا کہ میں دیو ہوں یا پری۔ کہیے، اب کُچھ یاد آیا؟"

یہ سُن کر شہزادہ اور حیران ہوا اور کہنے لگا: "خُدا کی پناہ! اُس وقت تمھارا حلیہ کُچھ اور تھا۔ اب کُچھ اور ہے۔ جلد کہو، یہ ماجرا کیا تھا؟ میں سُننے کے لیے بے تاب ہوں۔"

لکواتہ پری نے شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور بولی: "آئیے، یہاں

تخت پر تشریف رکھیے۔ پھر میں اپنی روداد کہوں گی۔"

شہزادہ اسماعیل تخت پر بیٹھا۔ اردگرد دوسری پریاں اپنے اپنے عہدے کے مطابق کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد لکواتہ پری نے یوں اپنی کہانی بیان کی:

"اے شہزادے، میرا اصل نام برق جلوہ ہے اور میں شاہ احمر سُرخ پوش کی بیٹی ہوں جو ملک احمریہ کا بادشاہ ہے۔ ایک روز میں سیر کے لیے باغ میں گئی۔ ادھر سے سرخنگ دیو کا گُزر ہوا۔ ہاتھ بڑھا کر مُجھے پکڑلیا اور یہاں لے آیا۔ میرے باپ نے بہت تلاش کرائی، مگر چوں کہ سیب کا یہ درخت طِلسم میں بندھا ہوا تھا کسی دِن اور پری کا یہاں گزر نہ ہوا۔

چند روز بعد سرخنگ مُجھے قلعہ پنجم قاف میں لے گیا۔ وہاں دو چشمے تھے۔ ایک سُرخ دوسرا سفید۔ مُجھ کو زبردستی سُرخ چشمے میں دھکیل دیا۔ جب

میں باہر تھی تو میرا قد پچاس گز کا ہو گیا، اور صورت بھی دیوؤں جیسی ہو گئی۔
سرخنگ نے مُجھ سے شادی کا ارادہ کیا تو میں نے چاہا کہ اپنے آپ کو ہلاک
کروں۔ ناگاہ غیب سے ایک آواز میرے کان میں آئی کہ اے برق جلوہ،
اپنی ہلاکت کا ارادہ نہ کر۔ بہت جلد ایک آدم زاد تجھے اس دیو کی قید سے
آزاد کرانے آئے گا۔ یہ وہی شخص ہے جو سیب سُرخ کھائے گا اور
سرخنگ دیو کو قتل کرے گا۔ تُو دیو سے کہہ کر پہلے اس آدم زاد کو مار، پھر
میں تُجھ سے شادی کروں گی۔ میں نے اس غیبی آواز کے کہنے پر عمل کیا۔
اس کے بعد آپ تشریف لائے اور اس دیو کو مارا۔ میں نے آپ سے
رُخصت ہو کر سفید چشمے میں غوطہ مارا۔ خُدا نے اصلی صورت عنایت کی۔"

یہ عجیب و غریب داستان سُن کر شہزادہ حیرت زدہ ہوا۔ اتنے میں غُل مچا کہ
برق جلوہ کا باپ احمر شاہ اپنے لاؤ لشکر سمیت شہزادے کے استقبال کو آتا

ہے۔ احمر شاہ نے شہزادے کو گلے سے لگا لیا اور سات روز تک خوب جشن برپا کیا۔

آٹھویں روز شہزادہ رُخصت لے کر آگے روانہ ہوا۔ ایک وسیع صحرا میں قلعہ نظر آیا۔ دروازہ بند تھا اور قلعے کے ہر کنگرے پر کٹے ہوئے سر کے ہوئے تھے۔ کوئی شخص وہاں نہ تھا کہ اُس سے یہ ماجرا دریافت کرتا۔ وہاں سے گزر کر شام کے وقت ایک شہر میں داخل ہوا۔ اس شہر کی فصیل عقیق سُرخ کی تھی۔ ایک شخص سے پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اِسے شہر عقیقہ کہتے ہیں۔ یہاں کا بادشاہ تُرکان شاہ تھا۔ کُچھ عرصہ ہوا اسے ایک دُشمن نے قتل کر دیا اور اس کے بیٹے تُرک کو قید کر کے لے گیا۔ اب تُرکان شاہ کی بیٹی مَلکہ گُل فام حکومت کرتی ہے۔

یہ سُن کر شہزادہ شہر کی سیر کرنے لگا۔ پھرتے پھرتے ایک میدان میں جا

نکلا جہاں بے شمار لوگ جمع تھے۔ اتنے میں ہٹو بچو کا غُل مچا۔ شہزادے نے دیکھا کہ ایک نقاب پوش سُرخ گھوڑے پر سوار نمودار ہوا۔ لوگوں کا ہجوم کائی کی طرح پھٹ گیا۔ وہ بڑی شان اور دبدبے سے میدان کے بیچ میں آیا۔ پہلے تیر اندازی کا کمال دکھایا۔ جس نشانے پر تیر مارتا، ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہ ہوتا۔ اِس کے بعد تلوار بازی کا مظاہرہ کیا۔ ایک ہی وقت میں بارہ بارہ جوانوں سے مُقابلہ کیا اور سب کے ہاتھوں سے تلوار میں گرا دیں۔ پھر گھڑ سواری کے کرتب ایسے دکھائے کہ شہزادہ اسماعیل بھی عش عش کرنے لگا۔

اِن کرتبوں کے بعد ایک غُلام نے بُلند آواز سے اعلان کیا:

"اے لوگو! تم جانتے ہو کہ یہ نقاب پوش کون ہے؟ اگر نہیں جانتے تو غور سے سُن لو کہ تُرکان شاہ کی بیٹی مَلِکہ گُل فام ہے۔ تُم نے اِس کی شہ سواری،

تیغ زنی اور تیر اندازی کا کمال دیکھا۔ پورے شہر میں اِس کے مُقابلے کا کوئی اور نہیں ہے۔ اِس کے باوجود مَلِکہ گُل فام کا ایک دُشمن ایسا ہے جس پر قابو پانا اُس کے بس سے باہر ہے۔ اعلان کیا جاتا ہے کہ جو شخص مَلِکہ کے دُشمن کو موت کے گھاٹ اُتارے گا اور اس کے بھائی تُرک شاہ کو قید سے آزاد کرائے گا، مَلِکہ اُسے منہ مانگا انعام دے گی۔"

شہزادے نے مجمع سے الگ ہٹ کر لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، مَلِکہ گُل فام کی حاجت روا کر تا کہ خُدا تیری حاجت روا کرے۔ اپنی خدمات بے دھڑک مَلِکہ کو پیش کر۔"

شہزادہ تھوڑی دیر بعد قلعے کے دروازے پر پہنچا اور دربان سے کہا کہ میں مَلِکہ کے دُشمن کو قتل کروں گا۔ دربان نے خبر دی کہ ایک نوجوان اِس اِرادے سے آیا ہے۔ چند لمحوں بعد وہی غُلام آیا اور شہزادے کو قلعے کے

اندر لے گیا۔ مَلکہ نے غُلام سے کہا کہ پہلے اِس نوجوان کی آزمائش کر لو کہ کُچھ شجاعت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ اِس کے بعد اس سے ملاقات کریں گے۔

یہ حُکم پا کر غُلام شہزادے کو اُسی میدان میں لے گیا۔ مَلِکہ گُل فام بھی گھوڑے پر سوار، چہرے پر نقاب ڈالے نمودار ہوئی۔ شہزادے نے وہ تمام کرتب دکھائے جو مَلِکہ دِکھا چُکی تھی۔ مَلِکہ نے حیرت سے دانتوں تلے انگلی دبا لی۔ شہزادے کو بڑی عزّت سے قلعے میں لایا گیا۔ مَلِکہ نے اسے اپنے برابر تخت پر بِٹھایا اور کہنے لگی:

"اے عالی قدر شہزادے، میرا باپ تُرکان شاہ بہت بہادر آدمی تھا۔ اکثر شہروں کو شمشیر کے زور پر لے کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ دور دور تک اُس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک روز محل میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ اُس کے غلام سلیح نے ایک درویش کی تعریف کی جو بڑا بھاری نجومی بھی

تھا۔ بادشاہ نے غُلام کو حُکم دیا کہ ابھی جا اور اُس درویش کو لے کر آ۔ غُلام نے عرض کیا کہ اے بادشاہ، وہ درویش اپنے فن میں کامل ہے اور اسے کسی سے کوئی غرض نہیں ہے، اِس لیے اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں آتا جاتا نہیں۔ آپ کو اُس سے ملاقات کا شوق ہے تو خود اس کے پاس جائیے۔ غُلام کی یہ بات سُن کر بادشاہ کو تاؤ آیا۔ کہنے لگا:

"اُس فقیر کی بد دماغی کا یہ عالم ہے! میں حُکم دیتا ہوں کہ اُسے فوراً میرے حضور میں حاضر کرو۔ کیا وہ میری رعایا نہیں ہے؟ اگر وہ نہ آئے تو اُسے گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔"

غُلام درویش کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب حال کہہ سُنایا۔ اُس مرد فقیر نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "بُرا ہوا۔ خیر، تیرے کہے سے چلتا ہوں۔ یہ کہہ کر دربار میں آیا اور بادشاہ سے اجازت لیے اور سلام کیے بغیر اُس کے

سامنے بیٹھ گیا۔ بادشاہ کو اُس کی یہ گُستاخی اور بے ادبی بہت بُری لگی۔ کہنے لگا:

"اے فقیر، میں نے سُنا ہے تُو بڑا نجومی ہے۔ یہ بتلا کہ کیا دُنیا میں مُجھ جیسا بہادر کوئی اور بھی ہے؟"

درویش نے کہا: "اے بادشاہ، اِس قدر غُرور نہ کر۔ تُو نے سُنا نہیں کہ غُرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ ہر کمال کو زوال ہے۔ آسمان کا تھوکا زمین پر آتا ہے۔ جس نے تکبّر کیا، ذلّت اور خواری سے دوچار ہوا۔ اب میری بات غور سے سُن اور یاد رکھ کہ تُجھے ایک معمولی قصاب قتل کرے گا اور ایک مدّت تک قصّاب تیرے مُلک پر حکومت کریں گے۔"

تُرکان شاہ اِس کلمے سے سخت ناراض ہوا بولا:

"اے بے ہودہ فقیر، کیا تُو نے اپنے علم سے یہ پتا نہیں کیا کہ آج میرے حُکم سے تُجھے قتل کیا جائے گا؟"

درویش نے ہنس کر جواب دیا: "میں نے یہ بھی معلوم کیا ہے۔ فکر نہ کر۔ میری عُمر تُجھ سے بہت زیادہ ہے۔ جب تک میری موت کا وقت نہ آئے گا، کوئی طاقت مُجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

یہ سُنتے ہی بادشاہ نے جلّاد کو طلب کر کے حُکم دیا: "اِسے لے جاؤ اور تلوار سے گردن اُڑا کر کٹی ہوئی گردن طشت میں سجا کر میرے سامنے پیش کرو۔ بڑا نجومی بنتا ہے۔ ابھی اِس کے علم کی قلعی کھلی جاتی ہے۔"

"اے شہزادے، جوں ہی درویش کے قتل کیے جانے کی خبر شہر میں پھیلی، لوگوں نے شاہی محل پر حملہ کر دیا۔ اُس درویش کے ماننے والے بے شمار تھے اور اُن کی آنکھوں میں خُون اُترا ہوا تھا۔ میں اسی وقت

گھوڑے پر سوار ہوئی اور چہرے پر نقاب ڈال کر محل میں پہنچی۔ جلّاد کو قتل کیا اور درویش سے معافی کی درخواست کر کے رُخصت کیا۔ واپس آن کر اپنے باپ کو ملامت کی کہ یہ کیا حرکت تھی۔ اِس بے گناہ فقیر کو موت کے گھاٹ اُتار کر آپ کو کیا حاصل ہوتا؟ بادشاہ کو بھی ہوش آیا۔ سمجھ گیا کہ بڑی خطا ہوئی۔ فوراً غُلاموں کو دوڑایا کہ درویش کو لے کر آئیں تاکہ اس سے معافی مانگی جائے، مگر سارا شہر چھان مارا، درویش کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس واقعے کو چھ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ املوس قصّاب کے لڑکے برکار نے بغاوت کی۔ میرے باپ نے اپنے سپہ سالار کو دس ہزار سپاہی دے کر روانہ کیا لیکن سپہ سالار نے غدّاری کی اور برکار قصّاب سے مل گیا۔ تُرکان شاہ نے تیس ہزار سوار دے کر ایک اور سردار کو باغیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیجا، مگر اُس نے بُری طرح شکست کھائی اور

میدانِ جنگ میں قتل ہوا۔

سردار کے قتل ہوتے ہی سواروں کا جِدھر مُنہ اُٹھا، بھاگ نکلے۔ برکار قصّاب دارالسّلطنت پر چڑھ آیا اور بہت کشت و خُون کیا۔ میرا باپ اُس کے ہاتھ سے مارا گیا اور بھائی تُرک اُس کی قید میں پہنچا۔ میں بڑی مُشکل سے اپنی ماں اور چند کنیزوں سمیت فرار ہوئی اور صحرا میں جا چھُپی۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کوئی وقت جاتا ہے جب برکار کے خوں خوار سپاہی آئیں گے اور ہماری تِکّا بوٹی کر ڈالیں گے۔ یکایک وہی درویش نجومی نمودار ہوا اور ہم سب کو اس قلعے کی طرف لایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ درویش نے کُچھ پڑھ کر دروازے پر پھونکا، وہ فوراً کھُل گیا۔ قلعے میں ہر قسم کا سامان موجود تھا۔ درویش نے کہا:

"اے بیٹی، یہ قلعہ اور اِس کے اندر جو کُچھ مال ہے، سب کی مالک تُم ہو۔

میں نے اِس قلعے کو ایک طِلسم میں بند کر دیا ہے۔ اِس کی خاصیّت یہ ہے کہ تمہارے دوستوں کو قلعہ نظر آئے گا لیکن دُشمن اِسے نہیں دیکھ سکیں گے۔ تُم اس میں اطمینان سے رہو۔ عنقریب ایک شہزادہ انسانوں کی دُنیا سے یہاں آئے گا۔ وہ بر کار قصّاب کو قتل کر کے تمہارے بھائی تُرک کو تُرکانیہ کے تخت پر بٹھائے گا، لیکن اُس شہزادے کے آنے تک روزانہ قلعے کے میدان میں جاؤ اور اپنی تیر اندازی، تیغ زنی اور گھڑ سواری کے کمالات دِکھا کر اعلان کرو کہ جو شخص اِس سے زیادہ قوّت رکھتا ہو وہ میرے دُشمن کے قتل کا ارادہ کرے۔"

یہ کہہ کر وہ درویش نہ جانے کہاں چلا گیا۔ دو تین مرتبہ بر کار خوں خوار کے سپاہی میری تلاش میں ادھر آئے۔ میں نے انہیں قتل کر کے اُن کے سر قلعے کے کنگروں پر لٹکوا دیے۔ آپ نے یہ سر وہاں دیکھے ہوں گے۔

یہ ہے میری داستان۔"

شہزادے نے یہ قصّہ سُن کر مَلِکہ کے لشکر کا جائزہ لیا۔ کُل چوبیس ہزار سوار تھے۔ اُس نے اُن میں سے سات ہزار آدمی چُنے اور حُکم دیا کہ تُرکانیہ کے اندر اور باہر پھیلے رہو اور نقّارے کی آواز کا انتظار کرو۔

جب میں سوار شہر تُرکانیہ کی طرف چلے گئے تو شہزادہ بھی روانہ ہوا۔ دیکھا کہ شہر خوب آباد ہے مگر ہر شخص کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور اپنے پاس رکھتا ہے۔ شہزادے نے تُرک کا قید خانہ معلوم کر کے رات کی تاریکی میں لَوحِ زُحل سر سے باندھی اور پہرے داروں کی نگاہ سے غائب ہو کر قید خانے میں داخل ہوا۔ تُرک بے چارہ گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ شہزادے نے ظاہر ہو کر اپنا تعارف کرایا پھر تُرک کی زنجیریں کاٹ کر اُسے آزاد کیا۔ اِس کے بعد خود جامِ جم کے ذریعے اپنی صورت تُرک کی سی بنائی اور وہی زنجیریں

اپنے ہاتھ پاؤں میں ڈال کر اس کی جگہ بیٹھ رہا۔ تُرک وہاں سے پہرے داروں کی آنکھ بچا کر نکل گیا۔

تین روز تک شہزادہ تُرک کی صورت میں وہاں قید رہا۔ چوتھے روز پہرے دار اُسے برکار خوں خوار کی بارگاہ میں لے گئے۔ اُسے بالکل احساس نہ ہوا کہ تُرک کے بجائے کوئی اور شخص ہے۔ اُس نے غضب ناک ہو کر کہا :

"اے تُرک، اپنی بہن کو خط لکھ کہ فوراً میرے حضور میں حاضر ہو اور دِل و جان سے میری اِطاعت قبول کرے، ورنہ تُجھے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

شہزادے نے کہا : "گھبراتا کیوں ہے۔ ابھی خط لکھے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر خط لکھا اور برکار کی طرف بڑھا دیا۔ برکار نے اپنے وزیر کو خط دے کر

کہا کہ پڑھ کر سُنا۔ اِس نے اپنی بہن کو کیا لکھا ہے ؟ وزیر نے پہلے خط خُود پڑھا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ بر کار نے کہا :

"اے وزیر، خط کیوں نہیں پڑھ کر سُناتا ؟ تھر تھر کیوں کانپتا ہے ؟"

اُس نے ہاتھ باندھ کر کیا کہ جہاں پناہ، مُجھے آپ کے ہاتھوں قتل ہونا ہو تو یہ خط پڑھ کر سُناؤں۔"

بر کار نے کہا کہ میں نے تیری جاں بخشی کی۔ اب جلد خط سُنا کہ اس نے کیا لکھا ہے ؟ وزیر نے خط پڑھا۔ لکھا تھا :

"بہن مَلکہ گُل فام کے نام۔

اِس میں کیا شک ہے کہ بر کار قصّاب نہایت کمینہ، نالائق، نمک حرام اور غدّار ہے، مگر غم نہ کرو۔ اِسے ہلاک کرنے والا خُدا نے بھیج دیا ہے جو بہت

جلد تمہارے بھائی تُرک کو تخت پر بٹھائے گا۔"

برکار نے خط کا مضمون سُنا تو غصّے کے مارے چہرہ لال پیلا ہوگیا۔ گرج کر بولا:

"اے تُرک! معلوم ہوتا ہے آج تیری زندگی کا آخری دِن ہے۔ کیا یہی مضمون تُجھے لکھنے کے لیے کہا گیا تھا؟"

شہزادے نے ہنس کر کہا: "نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آج تیری زندگی کا آخری دِن ہے۔"

برکار کا سپہ سالار تلوار کھینچ کر شہزادے کی طرف لپکا۔ شہزادے نے زنجیریں ایک ہی جھٹکے سے توڑ کر شمشیرِ جمشیدی نکال لی اور سپہ سالار کو قتل کر کے برکار کی جانب بڑھا۔ برکار دہشت زدہ ہو کر تخت سے اُترا اور

بھاگنا چاہا، مگر شہزادے نے مہلت نہ دی۔ کمر سے پکڑ کر اُٹھایا اور پوری قوّت سے زمین پر دے مارا۔ برکار کی ہڈّی پسلی ایک ہوئی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر مر گیا۔

اپنے سردار کو مرتے دیکھ کر قصّابوں نے چاروں طرف سے شہزادے پر ہجوم کیا۔ اُس وقت شہزادے نے لَوح سر پر رکھی، اُن کی نظروں سے غائب ہوا اور دروازے پر جا کر نقّارہ بجا دیا۔ مَلِکہ گُل فام کی فوج بھوکے چیتوں کی طرح قصّابوں پر ٹوٹ پڑی۔ جا بجا جنگ ہونے لگی۔ قصّابوں نے پہلے توڑ کر مُقابلہ کیا، لیکن جب برکار کے مارے جانے کی خبر اُڑی تو ان کے چھکّے چھوٹ گئے اور بے تحاشا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ باقیوں نے جان کی امان طلب کی۔ شہزادے نے عام معافی کا اعلان کر کے رعیّت کے دل موہ لیے۔

اسی روز شہزادے نے تُرکان کے بیٹے تُرک کو تخت پر بٹھایا اور اس فتح کی خوشی مَلِکہ گُل فام کو بھجوائی۔ مَلِکہ خوش خوش تُرکانیہ میں آئی اور اپنے بھائی سے ملی۔ شہزادہ اسماعیل چالیس روز اُن کا مہمان رہا۔ اکتالیسویں روز بیدار ہوا تو کسی شخص کا نشان نہ پایا۔ اپنے آپ کو گُنبد کے باہر پڑے دیکھا۔ کُنجی بدستور ہاتھ میں تھی۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ طبقۂ پنجم (پانچویں طبقے) کی سیر تمام ہوئی۔ اَرقم جِن اور ریختاش نے آ کر سلام کیا۔ اب گُنبد میں فقط دو طبقے باقی تھے۔ پانچ طبقے الگ ہو چکے تھے۔

نَر بُورِ جن

لَوح کی ہدایت کے مطابق شہزادہ اسماعیل جمعرات کے روز کُنجی سے چھٹے طبقے کا قُفل کھول کر اندر گیا۔ گھُپ اندھیرا تھا۔ وہ اِس اندھیرے میں آگے چل پڑا۔ یکایک ایک سُریلی آواز کان میں آئی لیکن یہ آواز گانے کی نہ تھی، بلکہ کوئی شخص کلامِ پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔

شہزادہ اِس آواز پر کان دھرتا ہوا چلنے لگا یہاں تک کہ تاریکی سے روشنی میں

آیا۔ سامنے ایک سرسبز جنگل دیکھا۔ ہر پھول سے صندل کی بُو آتی تھی۔ تلاوت کی وہ آواز اب بند ہو گئی تھی، لیکن درختوں پر نہایت خوب صورت پرندے بیٹھے اس خوش آوازی سے خُدا کا ذکر کر رہے تھے کہ طبیعت پر بے حد اثر ہوتا تھا۔

شام کو شہزادے نے ایک چشمے پر پہنچ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور وہیں لیٹ کر سو گیا۔ رات کے پچھلے پہر آنکھ کھلی تو تلاوت کی وہی آواز کان میں آئی۔ عجیب لُطف آیا۔ اتنے میں صُبح کی نماز کا وقت ہوا شہزادے نے دوگانہ ادا کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوا، وہ آواز بھی بند ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ہیبت ناک شکل کا دیو کئی مَن کا پتھر ہاتھ میں لیے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا:

"اے آدم زاد، تیری یہ جرأت کہ میں جس جگہ رہوں اس جگہ آن کر مزے سے سوئے؟"

یہ کہہ کر دیو نے وہ پتھرّ شہزادے کی طرف پھینکا۔ شہزادے نے ایک جانب اُچھل کر جان بچائی۔ پھر شمشیرِ جمشیدی سے اُسے قتل کیا۔ دیو نے مرتے مرتے یہ الفاظ کہے :

"اے آدم زاد، المنگ دیو تُجھ سے ضرور میرا بدلہ لے گا۔"

پانچ روز تک یہی حال گزرا کہ شہزادہ دِن بھر چلتا اور رات ایک مقام پر بسر کر کے پچھلے پہر تلاوت کی آواز سُنتا۔ پھر صُبح ایک دیو کو ہلاک کرتا۔ چھٹے روز ایک پہاڑ پر پہنچا۔ رات اسی جگہ بسر کی۔ پچھلے پہر پھر تلاوت کی آواز اس طرح کان میں آئی جیسے کوئی شخص قریب ہی موجود ہے۔ شہزادے نے تین مرتبہ تلاوت کرنے والے کو ڈھونڈا لیکن وہاں کوئی نہ تھا البتّہ آواز برابر سُنائی دے رہی تھی۔

صُبح نماز پڑھنے کے بعد وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک ہولناک آواز

آئی۔ کیا دیکھا کہ ایک دیو ہاتھ میں گُرز لیے آ رہا ہے۔ شہزادہ وہیں جم کر کھڑا ہو گیا۔ دیو شہزادے سے پچاس گز دُور رُکا اور بولا:

"اے آدم زاد، تُو نے میرے پانچ بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، لیکن مُجھے قتل نہ کر سکے گا، کیونکہ مُجھے صرف ایک خاص تلوار ہی مار سکتی ہے اور وہ تلوار ایک جگہ محفوظ ہے۔"

شہزادے نے کہا: "وہ تلوار میرے قبضے میں ہے۔"

دیو کہنے لگا: "اگر وہ تلوار کسی وجہ سے تُجھے مل گئی ہے تو ذرا مُجھے دکھا۔ اگر تُو سچّا ہے تو میں تیری اطاعت کروں گا اور تُجھے مَلِکہ نورالبصر کے محل تک پہنچا دوں گا جو طِلسم گوہرستان کی مالک ہے۔"

شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی نیام سے کھینچی۔ دیو نے جلدی سے قدم

بڑھا کر ایسا ہاتھ شہزادے کے ہاتھ پر مارا کہ تلوار چھوٹ کر دُور جا گری۔
شہزادے پر اِس ضرب سے غشی سی طاری ہوئی۔ اتنی دیر میں دیو تلوار اٹھا
کر بھاگ نکلا۔ شہزادے نے اپنے حواس درست کیے اور پہاڑ سے اُترا۔
لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، تُم نے فریب کھایا اور تلوار ہاتھ سے گنوائی۔ یہ دیو جو تُم
سے تلوار لے گیا ہے، اِس کا نام الکوس ہے۔ اب جلدی سے لَوح کو سر
سے باندھو اور شمال کی جانب روانہ ہو جاؤ۔ تین دِن بعد زرد رنگ کے
ایک پہاڑ پر پہنچو گے۔ اِسے کوہِ زرد کہتے ہیں۔ وہیں الکوس دیو کا ٹھکانا
ہے۔ اپنی تلوار کسی حیلے سے حاصل کرو۔"

شہزادے نے زرد پہاڑ پر پہنچ کے دیکھا کہ الکوس دیو چنار کے ایک درخت
تلے بیٹھا ہے اور ایک انتہائی بدصورت پری اس کے قریب بیٹھی ہے۔

دونوں باتیں کر رہے ہیں۔ پری کا نام فضلانہ ہے۔ شہزادہ لَوح کے باعث اُن کی نگاہوں سے غائب تھا، اس لیے قریب جا کر باتیں سُننے لگا۔ الکوس کہہ رہا تھا:

"اے فضلانہ، تُو نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں آدم سے شمشیرِ جمشیدی چھین لاؤں تو تُو مُجھ سے شادی کرے گی۔ اب اپنا وعدہ پورا کر۔"

فضلانہ پری نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔ تلوار مُجھے دے تاکہ میں اسے ایلاوس شاہ کی خدمت میں پیش کروں اور وہ ہم دونوں کو خوش ہو کر انعام عطا کرے۔"

یہ سُن کر الکوس دیو نے قہقہہ لگایا اور بولا: "یہ جھانسے کسی اور کو دینا۔ میں کچّی گولیاں نہیں کھیلا کہ تلوار تُجھے تھما دوں اور تُو اِسے لے کر چمپت ہو جائے۔ میں خود یہ تلوار ایلاوس شاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اُس نے

وعدہ کیا ہے کہ جو دیو یا جِن اس کی آدم زاد سے تلوار لے کر آئے گا، اُسے منہ مانگا انعام دوں گا۔"

فضلانہ پری نے دیکھا کہ دیو خوشی سے نہ دے گا تو شربت میں زہر ملا کر پلا دیا۔ اُسے پیتے ہی دیو کا بُرا حال ہوا اور اُس میں ہاتھ پاؤں ہلانے کی بھی سکت نہ رہی۔ تب فضلانہ پری نے تو تلوار پر قبضہ کر کے پہلے الکوس کو قتل کیا اور پھر وہاں سے فرار ہونے کا ارادہ کیا۔ شہزادے نے خُدا سے دُعا کی کہ میری صورت ایلاوس شاہ کی ہو جائے۔ یہ دُعا قبول ہوئی۔ شہزادے نے لَوح سر سے اُتاری۔ فضلانہ اُسے ایلاوس شاہ سمجھ کر سجدے میں گر پڑی۔ شہزادے نے گرج دار آواز میں کہا :

"اے فضلانہ، ہم تیری کارگزاری سے بہت خوش ہوئے۔ لا، اب شمشیرِ جمشیدی ہمارے حوالے کر۔ اِس کے عوض جو طلب کرے گی، ہم تُجھے

دیں گے۔"

فضلانہ نے ادب سے تلوار نذر کی۔ تلوار پر قبضہ پاتے ہی شہزادہ اپنی اصلی صورت پر آیا۔ فضلانہ طیش میں آ کر حملہ آور ہوئی۔ شہزادے نے اِس تلوار سے اُسے بھی قتل کیا۔ اس کے بعد لَوح سے مشورہ کیا۔ حُکم ملا کوہِ زرد (زرد پہاڑ) سے اُتر کر مغرب کی طرف جاؤ۔

شہزادے نے جوں ہی مغرب کی طرف مُنہ کر کے سفر شروع کیا۔ تلاوت کی آواز پھر کان میں آنے لگی۔ ایک سر سبز میدان میں وسیع احاطہ دکھائی دیا۔ اس احاطے کے اندر ایک بہت بڑا گُنبد تھا۔ پہلے پہل شہزادے کو اس گُنبد کا رنگ آسمانی نظر آیا۔ ایک لمحے بعد جو دیکھا تو گہرا سبز معلوم ہوا، پھر سیاہ، ایک لمحے بعد صندلی اور پھر ایک دم سُرخ ہو گیا۔ پھر پل بھر میں زرد ہوا، پھر سفید، آخر میں آسمانی۔ شہزادہ یہ تماشا دیکھ کر سخت

حیران ہوا۔

دُور سے وہ گُنبد نہایت قریب معلوم ہوتا تھا، لیکن شہزادہ جس قدر فاصلہ طے کرتا، وہ دُور ہوتا جاتا۔ یہاں تک کہ شام کے وقت نظر سے غائب ہو گیا۔ اس وقت شہزادے کو یہ بھی پتا چلا کہ سر سبز میدان کے بجائے وہ ایک ریگستان میں ہے جہاں کوسوں میلوں کوئی درخت ہے، نہ پانی کا چشمہ۔ یہ جان کر دِل کو سخت صدمہ ہوا۔ لَوح سے مشورہ کرنا چاہا لیکن اندھیرا ایسا تھا کہ لَوح کے حروف بھی پڑھنے میں نہ آتے تھے۔ سمجھ گیا کہ غَلَطی ہوئی۔ کوہِ زرد سے اُترتے ہی لَوح دیکھ لینی چاہیے تھی۔ ناچار وہیں تیمّم کر کے نماز ادا کی۔

ناگہاں دُور سے ایک تیز روشنی پیدا ہوئی۔ شہزادے نے مصلحت جان کر لَوح سر سے باندھ لی۔ دیکھا کہ دیوؤں کی ایک زبردست فوج ہے اور اُس

فوج کے درمیان میں ایک پہاڑ جیسا دیو تخت پر بڑی شان سے بیٹھا ہے۔ چار سو دیو اُس تخت کو اُٹھائے ہوئے تھے۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ یہی ایلاؤس دیو ہے۔ وہ دیو ایسا خوف ناک تھا کہ اتنا نڈر اور دلیر ہونے کے باوجود شہزادہ خائف ہوا اور ایک ٹیلے کے پیچھے چھُپ گیا۔

اتّفاق سے ایلاوس اُس ٹیلے کے قریب پہنچا اور اپنے غُلاموں کو رُکنے کا حُکم دیا۔ پھر تخت سے اُترا اور دائیں بائیں نگاہ ڈال کر بولا:

"مجُھے خبر ملی ہے کہ وہ بد بخت آدم زاد جس نے الکوس اور فضلانہ کو قتل کیا ہے، اِس صحرا میں کہیں موجود ہے۔ جاؤ، اُسے تلاش کرو۔ اسے ہر قیمت پر آج کی رات تلاش کر لینا ہے، ورنہ کل وہ حافظ نَربُور سے ملاقات کرے گا اور وہ آدم زاد کو ہم سے جنگ کا مشورہ دے گا۔"

اپنے سردار کا حُکم سُنتے ہی سینکڑوں دیو صحرا میں پھیل گئے اور شہزادے

کو ڈھونڈنے لگے لیکن اُس کا کہیں نشان نہ ملا۔ تھک ہار کر واپس آئے اور ایلاوس سے کہا کہ وہ آدم زاد ناپید ہے۔ یہ سُن کر ایلاوس نے سرد آہ بھری اور بولا:

"غضب ہو گیا۔ اگر آج کی رات وہ نہ ملا تو پھر ہم بھی اس پر فتح نہ پا سکیں گے۔ اے غُلاموں، جس طرح مُمکن ہو اسے گرفتار کر کے لاؤ۔ قسم ہے ابلیس کی، جو مانگو گے میں تمہیں دوں گا۔"

غُلام پھر گئے اور بہت دیر بعد واپس آ کر کہا، وہ آدمی کہیں نظر نہیں آیا۔ اتنے میں چند غلاموں نے آن کر اطلاع دی کہ مَلِکہ کوہ قاف نور البصر آتی ہے۔ شہزادے نے دیکھا کہ پری زادوں کے جھرمٹ میں ایک سنہری تخت پر مَلِکہ سوار ہے اور اُس کی صورت چاند کی مانند دمکتی ہے۔

ایلاوس دیو مَلِکہ کی تعظیم کے لیے تخت سے اُترا اور اُسے سجدہ کیا۔ پھر اُٹھ کر

ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا :

"اے مَلِکہ ، تُو نے یہاں آنے کی تکلیف کیوں کی ؟"

مَلِکہ نے ناراض ہو کر کہا۔ "اے بد بخت ! مُجھ سے کیا پوچھتا ہے ۔ یہ بتا، تُو یہاں کس لیے آن مرا ؟"

ایلاوس نے جواب دیا : "ایک آدم زاد اِس طبقے میں آیا ہے ۔ وہ تمہاری اور میری دونوں کی جان کا دُشمن ہے ۔ میں نے راستے میں کُچھ دیو مقرّر کیے تھے کہ اُسے روکیں، لیکن اُس نے سب کو فضلانہ پری سمیت قتل کیا۔ اِس رات وہ راستہ بھول کر صحرا میں آیا ہے ۔ میں اِس لیے اِدھر آیا کہ اسے تلاش کر کے موت کے گھاٹ اُتاروں ۔ ابھی تک تو وہ دکھائی نہیں دیا۔ مگر میں اُسے ڈھونڈ کر چھوڑوں گا۔"

مَلِکہ نے کہا : ”کاش !وہ آدم زاد تُجھے قتل کرے اور میں تیری قید سے رہائی پاؤں۔“

ایلاوس یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا : ”وہ آدم زار مُجھے کیا قتل کرے گا۔“ یہ کہہ کر پھر مَلِکہ کو سجدہ کیا۔ مَلِکہ نے منع کیا تو کہا کہ میں خُداوند ابلیس کے حُکم سے ایسا کرتا ہوں۔

چند گھڑیوں بعد صُبح کے آثار نمودار ہوئے ۔ مَلِکہ نے پوچھا کہ وہ آدم زاد ملا؟ ایلاوس نے خوف زدہ ہو کر جواب دیا، نہیں۔ صُبح ہونے والی ہے۔ یہاں سے چلنا چاہیے۔ اہم اور زیادہ ٹھہر نہیں سکتے کہ حافظ نَر بُور کی آواز ہمارے دماغوں کو پریشان کرتی ہے۔

مَلِکہ نُور البصر روانہ ہوئی۔ ایلاؤس بھی چلا گیا، لیکن جاتے ہوئے دو سو دیووٗں کو حُکم دیا گیا کہ آدم زار کو تلاش کرتے رہیں۔ یا ایک ایک دیو نے

اُس ٹیلے کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے پیچھے شہزادہ چھُپا ہوا تھا۔ شہزادے کو مذاق سُوجھا۔ اُس نے دیو کی انگلی پکڑلی۔ دیو نے چلا کر کہا :

"او آدم زاد، میری انگلی چھوڑ دے اور ٹیلے کے پیچھے سے باہر نکل آ۔"

شہزادے نے کُچھ جواب نہ دیا۔ دیو نے ریت کا وہ ٹیلا گرانا شروع گیا۔ اِس پر بھی دیو کو کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ شہزادے نے اُچھل کر ایک دوہتّڑ دیو کی کھوپڑی پر مارا۔ دیو کو یُوں محسوس ہوا جیسے ہزار من کا گُرز دماغ پر پڑا۔ بے اختیّار چیخنے چلّانے لگا۔ اس کی چیخ پُکار سُن کر کئی دیو جمع ہو گئے اور اِدھر اُدھر ہوا میں آدم زاد کو پکڑنے کے لیے اندھوں کی طرح ہاتھ چلانے لگے۔

جب بہت اُچھل پھاند ہو چُکی تب شہزادے نے لَوح سر سے اُتار کر اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ دیوؤں نے خوش ہو کر اسے گھیرنا چاہا، مگر اس نے

شمشیرِ جمشیدی کے جوہر دِکھانے شروع کیے۔ دیو ڈر کر پیچھے ہٹے۔ اتنے میں حافظ نَر بُور کی آواز صحرا میں پیدا ہوئی۔ اُس کا اثر یہ تھا کہ جس دیو کے کان میں کلامِ پاک کی آواز پہنچتی، وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سبھی دیو راکھ کے بڑے بڑے ڈھیر بن گئے۔ ایک دیو ایسا تھا جو اپنی قسمت سے بچ کر بھاگ نکلا اور سیدھا ایلاؤس کے پاس پہنچ کر سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ ایلاؤس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ سمجھا کہ قضا سر پر آئی، لیکن بظاہر ہنس کر بولا:

"کیا پروا ہے۔ وہ آدم زاد جب اِدھر آئے گا تب اس سے نمٹ لیں گے۔"

اِدھر دیوؤں کا قصّہ پاک کر کے شہزادے نے لَوح کا مطالعہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، کوہِ زرد سے جب تُم روانہ ہوئے تو لَوح سے مشورہ کرنا

بھول گئے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحرا میں بھٹکتے پھرے اور یہ بھی تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تُم رات بھر غائب رہے، ورنہ ایلاؤس کے ہاتھوں مُصیبت میں گرفتار ہوتے۔ اب کھاری پانی کے چشمے پر جاؤ اور اسمِ اعظم پڑھو۔ سفید رنگ کی ایک مچھلی چشمے سے نکلے گی۔ اُسے پکڑ لینا۔ مچھلی کے پیچھے پیچھے پانی میں رہنے والا ایک بُوڑھا آدمی بھی نکلے گا جس کی داڑھی دُودھ کی مانند سفید ہوگی۔ وہ تمہاری خوشامد کر کے کہے گا کہ یہ مچھلی مُجھے دے دو اور اِس کے عوض دُنیا بھر کے خزانے لے لو۔ تُم جواب میں کہنا کہ بڑے میاں، میرے پاس آن کر مچھلی لے لو۔ یہ کہ کر پیچھے ہٹنا۔ جس قدر وہ آگے بڑھے تم پیچھے ہٹتے جاتا۔ جب وہ بُڈّھا چالیس قدم دُور چشمے سے نکل آئے تم اُچھل کر جلدی سے اُس کی پیٹھ پر سوار ہو کر کہنا کہ اے برجوس جِن، مُجھے اِس صحرا سے نکال کر آٹھ رنگ کے گُنبد تک پہنچا دے، پھر میں تُجھے مچھلی

دے دوں گا۔ وہ تمھیں گُنبد تک پہنچا دے گا۔ یہاں حافظ نَربُور جِن سے ملاقات کرنا۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ برجوس جِن کی پیٹھ پر سوار ہوا تو وہ آسمان سے بُلند ہو کر اِس تیزی سے روانہ ہوا کہ ہوا کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ بڑی دیر بعد برجوس نے شہزادے کو زمین پر اُتارا۔ دیکھا کہ ایک وسیع احاطے کے دروازے پر کھڑا ہے۔ برجوس کو سفید مچھلی دے کر رُخصت کیا اور خود سر پر لَوح باندھ کر احاطے میں داخل ہوا۔

اِس احاطے میں جتنے بھی درخت تھے، طرح طرح کے پھولوں سے لدے ہوئے تھے، حتّٰی کہ بعض درختوں کے پتّوں کا رنگ بھی سبز کے بجائے سُرخ، پیلا اور سُنہری تھا۔ احاطے کی لمبائی چوڑائی پانچ قلعوں کے برابر ہوگی اور چاروں طرف خوب صورت عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ اب جو شہزادے

نے اِس گُنبد کو غور سے دیکھا تو آٹھ رنگ پائے۔ وہ گُنبد بھی آٹھ پہلو تھا اور احاطے کے بیچ میں بنایا گیا تھا۔ شہزادہ گھومتا ہوا گُنبد کے قریب پہنچا۔ اندر سے تلاوتِ کلامِ پاک کی آواز کان میں آئی۔ اُس وقت دیکھا کہ درختوں کی شاخیں پرندوں کے ہجوم سے چھُپ گئیں اور ہر قسم کے درندے اور چرندے اس آواز کے اثر سے دوڑے ہوئے احاطے کی طرف آئے۔ جب آواز بند ہوئی تو سب جِدھر سے آئے تھے، اُدھر واپس چلے گئے۔

تھوڑی دیر میں گُنبد کا عالی شان دروازہ کھلا اور نورانی چہرے کے ایک بزرگ باہر آئے۔ صندلی کُرتا بدن پر تھا اور مروارید کا عصا ہاتھ میں۔ گُنبد کے باہر ایک خوش نُما چبوترا تھا۔ اُس چبوترے پر یہ بزرگ بیٹھ گئے۔ اس چبوترے کے برابر ایک خالی حوض تھا۔ پلک جھپکتے میں حوض پانی سے بھر گیا۔ یکایک خادموں کی ایک جماعت نمودار ہوئی اور ادب سے ایک طرف

کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں سورج غروب ہوا۔ اُس نورانی شکل کے بزرگ نے حوض پر وضو کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ ابھی رات ایک ساعت نہ گزری تھی کہ آسمان روشن ہوا اور پری زادوں کی سواریاں نمودار ہوئیں۔ ایک بُوڑھی عورت جڑاؤ تاج سر پر پہنے، تخت پر سوار، اُن کے درمیان میں تھی۔

اس عورت نے تخت سے اُتر کر بزرگ کو ادب سے سلام کیا۔ اس نے بڑی شفقت سے سر اُٹھا کر اُس بُڑھیا کو دیکھا اور کہا :

"اے مَلِکہ روشن پری، کیا حال ہے ؟"

اُس نے جواب دیا : "حضور، نورالبصر کی جُدائی میں روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اِس طِلِسم کا فاتح کب آئے گا اور کس دِن اُس بدبخت ایلاؤس دیو کی قید سے میری بیٹی آزاد ہو گی ؟"

بزرگ جس کا نام حافظ نَر بُور جِن تھا، کہا : "فاتح طِلسم آ چکا۔ اس سے دو جگہ کُچھ خطا ہوئی۔ اِس سبب سے یہاں تک پہنچنے میں دیر ہوئی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آج احاطے میں داخل ہو گیا ہے۔ پری زادوں کو حُکم دو کہ اُسے تلاش کر کے لے آئیں۔"

پریاں اِدھر اُدھر شہزادے کو ڈھونڈنے لگیں۔ اُسے یکایک مذاق سوجھا۔ یہ دُعا کر کے جامِ جم اپنے سر پر رکھا کہ میری صورت اُس بزرگ کی سی ہو جائے۔ اتنے میں پری زادوں کی نگاہ درختوں کی طرف گئی۔ صندلی لباس پہنے ایک بزرگ وہاں سے بر آمد ہوا جس کی شکل حافظ نَر بُور جِن سے ملتی جُلتی تھی۔ پریوں نے حیران ہو کر نَر بُور جِن سے کہا کہ اے حضرت، کیا آپ کا کوئی بھائی بھی ہے؟ وہ یہ بات سُن کر حیرت سے پریوں کا مُنہ تکنے لگا۔ اتنی دیر میں شہزادہ وہاں پہنچ گیا۔ نَر بُور جِن اُسے دیکھ کر مُسکرایا اور بولا :

"یہ میرا بھائی نہیں، بلکہ وہی بُلند اقبال آدم زاد ہے جس کی قسمت میں اِس طِلسم کی فتح لکھی ہے۔"

یہ کہہ کر اُٹھا اور شہزادے کو گلے سے لگایا۔ اُس وقت شہزادے نے جامِ جم سر سے اُتارا اور اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوا۔ مَلِکہ روشن نظر نے بھی سلام کیا اور خوش خوش شہزادے کو دیکھنے لگی۔

سیاہ مُہرہ

تین روز تک نَر بُور جِن نے شہزادے کو اپنے احاطے میں ٹھہرایا اور خوب خاطر تواضع کی۔ چوتھے روز مَلِکہ روشن نظر کو اُس کے ملک کی طرف رُخصت کر کے نَر بُور جِن نے شہزادے سے کہا :

"اے عزیز، میرے پاس ایک امانت ہے۔ چوں کہ ایک مُدّت تک اس کی نگہبانی کی ہے اِس لیے چاہتا ہوں کہ اِس خدمت کی اُجرت تُم سے

لوں۔"

شہزادے نے پوچھا: "یہ امانت کیا ہے اور اُس کی اُجرت کس قدر ہوگی؟"

حافظ نَربُور جِن نے کہا: "وہ امانت ایک سیاہ مُہرہ ہے۔ اُس کی بڑی خاصیّتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ مُہرہ جس کے پاس ہو، اُس کے سامنے سے کوئی دیو بھاگ نہیں سکتا۔ دوسری خاصیّت یہ کہ اس پر کسی جادُوگر کا جادُو اثر نہیں کر سکتا۔ تیسری خاصیّت یہ کہ جب اسے ران پر باندھو تو ہوا کی مانند سفر کرو۔ اُجرت صرف یہ ہے کہ کلام پاک مُجھ سے سُن لو۔"

شہزادے نے بڑی خوشی سے یہ شرط منظور کی۔ نَربُور جِن نے سیاہ مُہرہ شہزادے کو دیتے ہوئے کہا:

"اے شہزادہ بُلند ارادہ، گُنبدِ ہفت طبقہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے

وزیر آصف کے باپ برخیا نے بنایا تھا۔ جب اُس نے طِلسم جامِ جم کی سیر کی اور یہ معلوم کیا کہ اِس طِلسم کا فاتح نبی آخر الزّماںؐ کی اولاد میں سے ہو گا تو یہ گُنبد بنا کر طِلسم سے ملایا اور عجبستان کا راستہ گُنبدِ ہفت طبقہ سے مقرّر کیا۔ لَوح کو دوبارہ نکال کر تیّار کیا اور طے کر دیا کہ جس کے قبضے میں لَوح زُحل داخل ہو گی، وہی اِس طِلسم کو فتح کرے گا۔ اس کے بعد مَلِکہ روشن نظر پری کے باپ دادا کو بادشاہ اور میرے بزرگوں کو طِلسم کا داروغہ بنایا اور یہ سیاہ مُہرہ انھیں عطا کر کے ہدایت کی کہ جب فاتح طِلسم آئے تو یہ مُہرہ اس کو دے دیا جائے۔ چناں چہ کئی نسلوں بعد ہی مُہرہ میرے قبضے میں آیا۔ یہ امانت آپ کی ہے۔ خُدا کا شکر کہ میں نے امانت جس کی تھی، اُسے دے دی۔“

شہزادے نے پوچھا: ”اس گُنبد کے آٹھ رنگ کیوں نظر آتے ہیں اور اب

مُجھے کیا کرنا چاہیے؟"

نَر بُور جِن نے جواب دیا: "طِلسم کا اثر ہے۔ جب طِلسم فتح ہو جائے گا تو صرف ایک رنگ آسمانی باقی رہے گا۔ اب آپ لَوح سر سے باندھ کر دوسروں کی نظر سے غائب ہوں اور ایلاوس دیو کی فوج کے درمیان سے گُزر کر طِلسم گوہرستان کے دروازے پر پہنچیں۔ وہیں مَلِکہ نور البصر کو بھی دیکھ لیجیے گا۔ سیاہ مُہرہ اِس سفر میں بہت کام دے گا۔ گوہرستان کی فتح کے بعد ایلاوس دیو کو قتل کرنا۔" نَر بُور جِن نے جس طرف جانے کی ہدایت کی تھی۔ اللہ کا نام لے کر شہزادہ اُسی طرف چلا۔ ساتویں روز ایک پہاڑی درّے میں داخل ہوا۔ درّے سے نکل کر ایک خوش نُما باغ میں آیا، جسے بہشت کا نمونہ کہنا چاہیے۔ اس باغ میں کئی دیو موجود تھے۔ بعض ناچ رہے تھے اور بعض گا رہے تھے۔ شہزادے کو لَوح کی برکت کے باعث

کسی نے نہ دیکھا اور وہ اُن کے درمیان میں سے گُزر کر ایک عالی شان محل کے قریب پہنچا لیکن اُس کا دروازہ ناپید تھا۔ شہزادے نے لَوح سر سے اُتار کر نگاہ ڈالی۔ یہ عبارت ظاہر ہوئی :

"اے شہزادے ، لَوح کو محل کی چار دیواری پر رکھو۔ فوراً دروازہ ظاہر ہو گا۔ اندر جا کر دروازے کو لَوح دِکھانا۔ دروازہ بند ہو کر غائب ہو جائے گا۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ دروازے میں داخل ہو کر لَوح کا رُخ اُدھر کیا۔ دروازہ غائب ہو گیا۔ پھر شہزادے نے لَوح سر سے باندھ لی اور محل کی سیر کرنے لگا۔ جا بجا باغ اور عمارتیں بنی تھیں اور آرائش کا بے انتہا سامان ہر کمرے میں موجود تھا۔ یہیں ایک بڑے کمرے میں اس نے ایک حسین پری کو دیکھا کہ رنج و غم سے گردن جھکائے بیٹھی ہے اور آنکھوں میں آنسو ہیں۔ شہزادے نے لَوح سر سے اُتار کر خود کو ظاہر کیا۔ اُس پری

نے حیرت سے شہزادے کو دیکھا۔ پھر کہنے لگی :

"آ ئیے آ ئیے، میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔"

شہزادے نے اندازہ کیا کہ یہی مَلِکہ نورالبصر ہے جسے ایلاوس دیو نے قید کر رکھا ہے۔ اُس نے مَلِکہ سے پوچھا :

"تُم ایلاوس کے قابو میں کیسے آئیں اور وہ اِس وقت کہاں ہے ؟"

مَلِکہ نے جواب دیا : "ایلاوس دیو اِس وقت محل کے باہر موجود ہے۔ اِس طِلسم کے دو حصّے ہیں۔ ایک بیرونی، ایک اندرونی۔ بیرونی طِلسم کی مالک میری ماں ہے اور یہ محل اندرونی طِلسم میں ہے۔ ایلاوس دیو کو یہ قُدرت حاصل ہے کہ اندرونی طِلسم میں آئے اور چلا جائے لیکن دوسرے ایسا نہیں کر سکتے۔

ایک رات میں اپنے باغ کی سیر کررہی تھی کہ ایلاوس دیو وہاں آیا اور مُجھ کو اُٹھا کر یہاں لے آیا۔ میری ماں نے تین مرتبہ اپنی فوج کے ساتھ اُس پر حملہ کیا۔ ایلاوس کے بہت سے ساتھی قتل ہوئے لیکن ہر مرتبہ اُس نے میری ماں کے لشکر کو شکست دی۔ آخر میری ماں نے حافظ نَر بُور جِن سے مدد طلب کی۔ انھوں نے بتایا کہ جب تک فاتح طِلسم نہیں آتا، ایلاوس دیو کو کوئی قتل نہیں کرسکتا اور نہ مَلکہ نورالبصر آزاد ہو سکتی ہے۔

دراصل ایک طِلسمی لَوح ایلاوس دیو کے قبضے میں ہے. جس کے ذریعے وہ اندرونی اور بیرونی طِلسم دونوں میں آسانی سے جا سکتا ہے۔ اس لَوح کے اثر سے محل کے دروازے بند ہوتے اور کھُلتے ہیں۔ ایلاوَس جب صحرا میں تمہاری تلاش میں ناکام ہوا تو محل کے دروازے بند کر کے لَوح دریا میں پھینک دی تاکہ کوئی محل کے اندر نہ جا سکے لیکن اُسے خبر نہ تھی کہ لَوحِ

زُحل کے ذریعے بھی دروازے کھولے جا سکتے ہیں۔ شہزادہ سات دِن تک محل میں رہا، پھر لَوح کی ہدایت کے مطابق محل سے نِکل کر طِلسم گوہرستان کی جانب روانہ ہوا۔ ایک دِن اور ایک رات سفر کے بعد صُبح کے وقت ایک ایسے دریا کے کنارے پہنچا جس کی لمبائی چوڑائی کا عِلم خُدا ہی کو ہوگا۔ جہاں تک نظر جاتی، پانی ہی پانی تھا۔

شہزادے نے جامِ جم دریا میں ڈال دیا۔ وہ کشتی بن گیا۔ شہزادہ اُس میں سوار ہوا۔ کُچھ دور جا کر دیکھا کہ دریا میں ایک سر سبز درخت بہہ رہا ہے اور ایک شخص سفید تسبیح ہاتھ میں لیے درخت پر بیٹھا ہے۔ اُس کے چہرے سے خوف اور گھبراہٹ کے آثار ظاہر تھے۔ شہزادے نے اُسے اپنی کشتی میں سوار کر لیا اور حال پوچھا۔ اُس نے کہا:

”میرا نام عابد ہے۔ ملک دادگر کا رہنے والا ہوں جو اِس طِلسم کا ایک حصّہ

ہے۔ وہاں کا بادشاہ اور تمام وزیر جادُوگر ہیں۔ ایک روز انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہمیں اپنے علم کے زور سے پتا چلا ہے کہ اِس طِلسم کا فاتح اِس شخص عابد کی رہ نمائی میں یہاں آئے گا لہٰذا عابد کو یہاں سے نکال دینا چاہیے۔ بادشاہ نے میرے قتل کے واسطے فوج بھیجی۔ میں جلدی سے ایک درخت پر چڑھ کر شاخوں میں چھُپ گیا۔ انھوں نے درخت کو اُکھاڑ کر دریا میں ڈال دیا، لیکن خُدا کا شکر ہے کہ اُس نے آپ تک پہنچا دیا۔ میرے خیال میں آپ ہی اس طِلسم کے فاتح ہیں۔"

اِسی اثنا میں کشتی کنارے پر پہنچی۔ یہاں ایک آبادی نظر آئی۔ کنارے پر اُترتے ہی کشتی دوبارہ جام بن گئی۔ عابد شہزادے کو ایک بڑی عمارت میں لے گیا جو ایک خانقاہ کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ اُس میں چاروں طرف حُجرے تھے۔ عابد نے شہزادے کی دعوت کی اور کھانے میں بے ہوشی

کی دوا ملا دی۔ شہزادے نے ابھی تین لُقمے ہی کھائے تھے کہ یکایک سر چکرایا۔ سمجھا کہ دغا کھائی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر جلدی سے لَوح کو دیکھا۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، دیر نہ کرو۔ لَوح سر سے باندھ کر اِن کی نظروں سے غائب ہو اور کسی حُجرے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لو۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ عابد کے شاگردوں نے اپنے استاد کو خبر کی۔ اُس نے کہا کہ حُجرے کے دروازے پر باہر سے قُفل ڈال دو۔ صُبح اس نوجوان کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔

دوائے بے ہوشی کے اثر سے شہزادہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ ساری رات اسی طرح پڑا رہا۔ صُبح کے وقت ہوش آیا۔ لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"عابد کا اصل نام درستون جادُوگر ہے اور یہ طِلسم گوہرستان کا سرحدی محافظ ہے۔ اِس نے تمہیں فریب دے کر قتل کرنا چاہا تھا۔ اب تُم اسے اوراِس کے شاگردوں کا قصّہ پاک کر کے مغرب کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

اتنے میں حُجرے کا قُفل کھول کر درستون جادُوگر اندر آیا۔ اُس کا خیال تھا کہ شہزادہ ابھی تک بے ہوش پڑا ہو گا اور آسانی سے اس کا کام تمام کیا جا سکے گا، لیکن شہزادے نے اس وقت شمشیرِ جمشیدی کا وار کیا۔ درستون جادُوگر کی گردن کٹ کر دُور جا گری۔ اُسے قتل کر کے حُجرے سے باہر نکلا اور ایک ایک کر کے سب شاگردوں کو بھی جہنّم کا راستہ دکھایا۔ پھر وہاں سے مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ ایسی جگہ پہنچا جہاں دو اُونچے مینار تھے۔ ایک مینار پر سفید اور دوسرے پر کالا پرندہ بیٹھا تھا، اور دونوں پرندے انسانی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ شہزادہ لَوح سر سے باندھ کر غائب

ہوا۔ کالے پرندے نے سفید پرندے سے کہا :

"دیکھو بھائی، اگر فاتح طِلسم نے طِلسم کو برباد کیا تو تُم میری جان اس سے سفارش کر کے بچانا۔"

سفید پرندے نے جواب دیا : "صرف اِس شرط پر تمہاری جان بچانے کا وعدہ کرتا ہوں کہ تُم شیطان کی پُوجا سے توبہ کر کے ایک خُدا پر ایمان لاؤ۔"

یہ سُن کر کالے پرندے نے سفید کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ تب شہزادے نے ظاہر ہو کر کالے پرندے کے تیر مارا اور اُسے ہلاک کر دیا۔ سفید پرندہ پھرُ سے اُڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوب صورت جوان ظاہر ہوا اور شہزادے کو سلام کر کے بولا :

"میرا نام مطیر جِن ہے اور میں فاتح طِلسم کا غُلام ہوں۔ یہ دوسرا کالا پرندہ

دراصل سفیر جِن تھا جسے آپ نے قتل کر کے اچھّا کیا۔ ہم دونوں اس مقام کے نگہبان تھے۔ اب میں رُخصت ہوتا ہوں۔ ضرورت کے وقت حاضر ہوں گا۔"

شہزادہ وہاں سے روانہ ہو کر ایک درخت کے قریب پہنچا۔ درخت کی ہر شاخ پر ایک ایک دیو بیٹھا تھا، مگر اُن کا قد دو یا تین گز سے زیادہ بڑا نہ تھا۔ دیو شہزادے کو دیکھ کر درخت سے اُترے اور تلواریں لے کے حملہ کرنے کے لیے دوڑے۔ جس وقت وہ زمین پر آئے، اُن کے قد ایک دم پچاس پچاس اور سو سو گز اُونچے ہو گئے۔

شہزادہ لَوح کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ایک طرف بھاگا۔ دیووٴں نے شہزادے کا پیچھا کیا۔ جب دیو درخت سے بہت دور آ گئے تب شہزادے نے لَوح سر پر رکھی، اُن کی نگاہوں سے غائب ہو کر درخت کے نیچے آیا

اور اُس کے پھل جمع کیے۔ اِس کے بعد لَوح اُتار کر ظاہر ہوا۔ دیو شور مچاتے ہوئے پھر واپس آئے۔ شہزادے نے اُن کی طرف درخت کے پھل پھینکنے شروع کیے۔ جس دیو کے پھل لگتا، وہ اُسی وقت مر جاتا۔ اِس طرح تمام دیوؤں کو ہلاک کر کے شہزادے نے وہ رات اس درخت کے نیچے بسر کی۔ بھوک لگی تو وہی پھل کھائے جن کا مزا حلوے کا سا تھا۔

صُبح اُٹھ کر نماز ادا کی۔ پھر کُچھ آگے چل کر ایک شہر میں پہنچا۔ یہ شہر دریا کے کنارے آباد تھا۔ دیکھا کہ کنارے پر غوطہ خوروں کا ہجوم ہے اور جا بجا سیپیوں کے ڈھیر لگے ہیں۔ اَن سیپیوں سے موتی نکالے جا رہے تھے۔ اعلیٰ قسم کے موتی بادشاہ کے لیے، درمیانی درجے کے موتی امیروں اور وزیروں کے لیے اور ادنیٰ درجے کے رعایا کے لیے تھے۔ یکایک ایک شخص نے اونچی آواز سے کہا :

"اے لوگو! تُم میں کوئی ایسا بھی ہے جو بادشاہ کی بیمار بیٹی کو تندرست کرے اور اعلیٰ قسم کے موتی لے لے؟"

شہزادے نے ارادہ کیا کہ وہاں کا حال کسی سے پوچھے۔ اتنے میں مطیر جِن حاضر ہوا اور شہزادے کو اپنے ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی صغیر جِن کے مکان میں آیا۔ شہزادے نے شہر کو نہایت آباد اور سجا ہوا پایا۔ صغیر شہزادے سے مل کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا:

"اِس شہر کا نام گوہرستان ہے اور یہاں کے بادشاہ کا نام گوہر شاہ ہے۔ اُس کی بیٹی روشن جمال پری سیر کرنے کے لیے طِلسم گوہرستان میں گئی جو یہاں سے چار کوس دُور ہے۔ وہاں اُس نے ایک ہرن شکار کر کے اس کے کباب کھائے۔ اُس روز سے برص کے مرض میں مُبتلا ہے۔ اس مرض میں بدن پر سفید سفید داغ پڑ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ پاگل

پن کا شکار بھی ہے۔ گوہر شاہ نے اس کا علاج کرانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اب اُس کا غلام روز دریا کنارے منادی کرتا ہے کہ کوئی آئے اور شہزادی کی بیماری کا علاج کرے۔"

شہزادے نے ایک کونے میں جا کر لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"روشن جمال پری کی دوا گوہرستان میں ہے۔ گوہر شاہ سے مل کر اُسے خُوش خبری دو کہ اُس کی بیٹی ٹھیک ہو جائے گی۔"

دوسرے روز شہزادہ شاہی دربار میں گیا۔ لَوح اور جامِ جم کی برکت سے گوہر شاہ سے ملا۔ گوہر شاہ شہزادے کو طِلسم کی طرف لے گیا۔ دیکھا کہ طِلسمی قلعے کے دروازے، دیواریں اور بُرج سب موتیوں کے بنے ہیں۔ قلعے کے ہر کنگرے پر سفید رنگ کا ایک خوب صورت پرندہ بیٹھا تھا۔ چاروں کونوں پر چار بُرج تھے۔ اُن پر بھی سفید رنگ کے چار پرندے

بیٹھے تھے مگر وہ اور پرندوں سے بڑے اور نہایت ہیبت ناک شکل کے تھے۔ قلعے کے اِرد گرد بڑا پُر فضا باغ تھا جس میں ہزارہا قسم کے پھول اور پودے لگے تھے۔

شہزادے نے دِل بہلانے کی خاطر گوہر شاہ کے ایک سردار قومان جِن کو طِلسم میں داخل ہونے کا حُکم دیا۔ جس وقت قومان نے طِلسم کی سرحد میں قدم رکھا، اُس وقت آسمان پر گھٹا اُمڈی اور آہستہ آہستہ پھوار سی پڑنے لگی۔ مگر ہر قطرہ زمین پر گِرتے ہی موتی بن جاتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے باغ اور صحرا میں موتی ہی موتی نظر آنے لگے۔

یکایک کنگروں پر بیٹھے ہوئے پرندوں نے پرواز کی اور ایک عورت سُرخ لباس پہنے اور تمام بدن پر موتیوں کا زیور سجائے، نمودار ہوئی۔ اُس نے قومان جِن کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔ قومان دوڑا دوڑا اُس کے

پاس گیا۔ اُس عورت نے شربت کا ایک پیالہ قومان کو پینے کے لیے دیا۔ اس نے سوچے سمجھے بغیر غٹ غٹ چڑھا لیا۔ بُرجوں پر بیٹھے ہوئے چار پرندوں میں سے ایک پرندہ اُس وقت اُڑ کر زمین پر آیا اور خاک میں لوٹ پوٹ کر ایک خوف ناک دیو بن کر چلّایا:

"اے گستاخ جِن! تُجھے یہاں قدم دھرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ خبر نہیں کہ بغیر اجازت یہاں آنا اپنی موت کو دعوت دیتا ہے۔"

یہ کہہ کر دیو نے قومان کے منہ پر اِس زور کا طمانچہ مارا کہ وہ لڑھکتا ہوا دُور جا گِرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اِس کے بعد دیو نے اس عورت کا گلا بھی گھونٹ دیا اور خود پرندہ بن کر دوبارہ بُرج پر جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد قومان جِن ہوش میں آیا اور آگے روانہ ہوا۔ فوراً ایک سبز پوش عورت نمودار ہوئی۔ اُس نے بھی قومان کو شربت کا پیالہ دیا، جسے اُس نے اُسی وقت پی لیا۔ اب

دوسرا پرندہ بُرج سے اُڑ کر آیا، لوٹ پوٹ کر دیو بنا، قومان کے منہ پر طمانچہ مارا، سبز پوش عورت کا گلا گھونٹ کر دوبارہ پرندہ بنا اور بُرج پر واپس چلا گیا۔

پہلے دیو کے طمانچے سے قومان کے پاؤں گھٹنوں تک سیاہ ہو گئے تھے۔ دوسرے طمانچے سے کمر تک بدن کالا ہوا۔ قومان ہوش میں آ کر پھر آگے چلا۔ اِس مرتبہ ایک عورت زعفرانی رنگ کا لباس پہنے نمودار ہوئی۔ یہ عورت تیسرے پرندے کے ہاتھ سے ہلاک ہوئی۔ اُس نے بھی دیو بن کر قومان کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ قومان کا بدن گردن تک سیاہ ہو گیا۔ چوتھی بار ایک عورت صندلی لباس پہنے ظاہر ہوئی۔ چوتھے پرندے نے اُسے پارہ پارہ کیا اور قومان کے طمانچہ مارا۔ اب قومان کا سارا بدن سیاہ ہو چکا تھا۔ اِس مرتبہ بارش تھم گئی اور آسمان سے آگ برسنے لگی۔ پھر گھُپ اندھیرا چھا

گیا۔ دیر تک یہی عالم رہا۔ جب روشنی ہوئی تو دیکھا، قومان جِن غائب تھا۔

شہزادے نے لَوح دیکھی۔ لکھا تھا:

"اِسم اعظم پڑھ کر سبزے میں داخل ہو جاؤ۔ ایک روشن راستہ کہکشاں کی مانند سبزے میں ظاہر ہو گا۔ اُس راستے پر قدم رکھتے ہوئے جانا۔ قلعے کے نیچے پہنچ جاؤ گے۔ پہلے اُس بُرج کے پاس جاؤ جو دائیں ہاتھ پر ہے۔ وہی اِسم اعظم پڑھ کر پرندے کی طرف پھونک مارنا تاکہ وہ اپنا جسم دیو کی صورت میں نہ بدل سکے۔ پھر تیر چلا کر پرندے کو ہلاک کرنا۔ جب وہ مرے گا تو اُس کے جسم سے خون کے قطرے زمین پر گریں گے۔ ہر قطرے کا ایک دیو بن کر تُم سے لڑنے آئے گا۔ انھیں شمشیرِ جمشیدی سے قتل کر کے دوسرے بُرج کی طرف جانا۔

اِسی طرح چاروں بُرجوں کے پرندوں کو ہلاک کر دینا مگر شرط یہ ہے کہ یہ

کام ایک گھڑی میں پورا ہو۔ اگر تُم نے دیر کی تو طِلسم میں قید ہو جاؤ گے۔ تیز قدمی کے لیے سیاہ مُہرہ اپنے زانو پر باندھ لینا۔ ایک عظیم طوفان برپا ہو گا۔ اولے برسیں گے اور بادل کے گرجنے کی آواز سے پہاڑوں کے دِل دہل جائیں گے۔ اِس وقت جامِ جم سر پر رکھ کر ایک کونے میں آرام سے بیٹھے رہنا۔

"جب طوفان ختم ہو گا تو قلعے کا دروازہ کھلا پاؤ گے۔ اِس قلعے میں باغ ہے اور ہر درخت پر پھلوں کے بجائے خوش نما موتی لگے ہیں۔ اِس باغ میں کھجور کا ایک درخت دیکھو گے جس کی اونچائی آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ اِس درخت کی چوٹی پر صندلی پرندہ بیٹھا ہو گا۔ اُس کے مُنہ پر لمبی داڑھی ہو گی۔ کسی تدبیر سے اِس پرندے کو گرفتار کر کے ذبح کرنا اور اُس کا خون جامِ جم میں بھر لینا۔ چند قطرے خُون کے باغ کے چاروں طرف چھڑکنا تا

کہ طِلسم کا اثر دُور ہو۔ باقی خون گوہر شاہ کی بیٹی روشن جمال پری کے بدن پر ملنا۔ اس وقت برص کے داغ غائب ہو جائیں گے اور وہ بالکل تندرست ہو جائے گی۔ اُس پرندے کا نام اشطار جِن ہے اور اُسے گرفتار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس باغ میں بنفشی رنگ کا ایک پھول ہے، جس کے بیج خشخاش کی مانند ہیں۔ اِن پھولوں کی حفاظت سیاہ ناگ کر رہے ہیں۔ ناگوں کو تیر سے ہلاک کر کے پھولوں سے بیج نکال لینا۔ پھر اپنی کمند کو کھجور کے درخت تلے بِچھا کر یہ بیج اُس پر بکھیر دینا۔ پرندہ اُن بیجوں کو کھانے کے لالچ میں درخت سے اُترے گا تو کمند میں گرفتار ہو گا۔ اُس وقت دو شخص پیدا ہوں گے۔ ایک کہے گا اِس پرندے کو ہلاک کر کے مُجھے دے دے۔ میں تیری مُراد پوری کروں گا۔ دوسرا کہے گا، خبردار! اِسے ہلاک نہ کرنا فوراً آزاد کر دے۔ خبردار! تُم کسی کی رائے مت ماننا اور وہی کرنا جس کا لَوح

نے تمھیں حُکم دیا ہے۔“

پُراسرار کنواں

شہزادے نے لَوح کے کہنے پر عمل کیا۔ ایک عظیم طوفان برپا ہوا اور سارے عالم پر تاریکی چھا گئی۔ جب روشنی ہوئی تو دیکھا کہ وہاں چند درختوں کے سوا کُچھ بھی نہیں۔

گوہر شاہ اور مطیر جِن باغ میں آئے اور طِلسم فتح ہونے کی مبارکباد دی۔ باغ کا داروغہ مخدوم جِن تھا۔ وہ شہزادے کو ایک گُنبد کے دروازے پر

لایا۔ شہزادے نے اُس کا تالا کھولا۔ گُنبد کے اندر سے بے مثل خزانہ برآمد ہوا۔ قومان جِن کو بھی داروغہ نے حاضر کیا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں عجیب عجیب خواب دیکھ رہا تھا کہ یکایک آنکھ کھُلی اور اب جو دیکھا تو داروغہ مجھے آپ کی خدمت میں لیے جا رہا ہے۔

گوہر شاہ شہزادے کو شہر میں لایا۔ شہزادے نے دیکھا کہ روشن جمال پری برص کے داغوں سے سفید ہو رہی ہے۔ اشطار جِن کا خون اُس کے بدن پر ملا۔ اُس وقت داغ جاتے رہے اور بدن صاف شفاف ہو گیا۔ اب صرف پاگل پن باقی تھا۔ شہزادے نے لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا :

"یہ پاگل پن موتیوں کا پانی پینے سے دُور ہو گا، اور موتیوں کا یہ پانی طِلسم بحر کے فتح ہونے پر مل سکتا ہے۔ آدھی رات کے وقت دریا کنارے جاؤ۔ جس وقت دریا کا پانی اُترنا شروع ہو، اُس وقت لَوح دریا کو دِکھا کر اسمِ اعظم

پڑھو۔ ایک دیو دریا سے نکل کر تُم پر حملہ کرے گا اور ایک صنُدوقچہ اُس کی بغل میں دبا ہو گا۔ دیو کو تلوار سے قتل کر کے صنُدوقچہ حاصل کرنا۔ صنُدوقچے سے سات موتی نکلیں گے اور ہر موتی مُرغی کے انڈے کے برابر ہو گا۔ اُن موتیوں کو جامِ جم میں ڈال کر سات مرتبہ اِسم اعظم پڑھ کر دم کرنا۔ وہ پانی پانی ہو جائیں گے۔ بس یہ پانی روشن جمال پری کو پلا دینا۔ خُدا کے حُکم سے اس کا یہ مرض بھی جاتا رہے گا۔"

شہزادے نے دیو کو ہلاک کر کے صنُدوقچہ پایا۔ اُس میں سے انڈے برابر سات سفید موتی برآمد ہوئے۔ جوں ہی انہیں جامِ جم میں ڈال کر اسمِ اعظم پڑھا، موتی نہایت چمک دار پانی میں تبدیل ہو گئے۔ یہ پانی روشن جمال پری کو پلایا گیا تو اُسی وقت اُس کا پاگل پن دُور ہو گیا۔ گوہر شاہ نے خوش ہو کر جشنِ عام منائے جانے کا حکم دیا۔

شہزادے نے چند روز گوہرستان میں قیام کیا۔ پھر مطیر جِن کو اپنا نائب مقرّر کر کے گوہر شاہ کو فوج سمیت اپنے ساتھ لیا اور لَوح کی ہدایت کے مطابق قصرِ (محل) عالی مقام کی جانب روانہ ہوا۔

اِدھر نَر بُور جِن نے اپنے علم سے پتا چلایا کہ شہزادہ طِلسم گوہرستان کی فتح سے فارغ ہو کر قصرِ عالی مقام کی طرف روانہ ہوا ہے۔ حافظ نَر بُور جِن نے مَلِکہ روشن پری کو پیغام بھیجا کہ یہ سُنہری موقع ہے۔ ایلاوس دیو پر حملہ کر دو۔ یہ پیغام ملتے ہی روشن پری ستّر ہزار دیوؤں اور پریوں کا لشکر لے کر روانہ ہوئی۔

یہ خبر ایلاوس دیو کو بھی ملی۔ اُس نے غُلاموں سے کہا کہ اِس مرتبہ میں سرحد سے باہر نہ جاؤں گا، اور روشن پری طِلسم کی وجہ سے میری سرحد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تنگ آ کر خود ہی واپس چلی جائے گی۔

روشن پری نے لشکر سمیت اس درّے پر آن کر پڑاؤ کیا جو قصرِ عالی مقام کی سرحد پر واقع تھا۔ کئی دِن گُزر گئے۔ ایلاوس کی فوج جنگ کے لیے نہ آئی۔ چند پری زادوں نے مَلکہ روشن پری سے کہا :

"پہلے جب ہم یہاں آتے اور درّے کے منہ پر لگے ہوئے ان درختوں سے آگے بڑھتے تو ہمارے بال و پَر جل جاتے تھے، لیکن اس مرتبہ ان درختوں سے گزرے، بلکہ درّے میں بھی داخل ہوئے اور ہمیں کسی طرح نقصان نہیں پہنچا۔ یہ عجیب بات اس مرتبہ ہوئی ہے۔"

روشن پری سمجھ گئی کہ شہزادے نے طِلسم فتح کرلیا ہے۔ اس وقت حُکم دیا کہ فوج درّے میں آگے بڑھے۔ سات روز میں فوج نے درّے کا فاصلہ طے کیا اور قصرِ عالی مقام کے میدان میں داخل ہوئی۔ ایلاوس اب تو بہت گھبرایا، مگر جنگ کے سوا اور کوئی راستہ دِکھائی نہ دیا۔ خوں ریز جنگ شروع

ہوئی۔ پہلے ہی روز ایلاوس نے غضب ناک ہو کر روشن پری کے پانچ سالاروں کو چیر پھاڑ کر پھینک دیا۔ وہ جِدھر رُخ کرتا، روشن پری کے سپاہی خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ ایلاوس نے اس قدر کشت و خُون کیا کہ روشن پری کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ قریب تھا کہ شکست قبول کر کے بھاگے، یکایک شہزادہ اسماعیل گوہر شاہ کی فوج سمیت میدانِ جنگ میں نمودار ہوا۔

ایلاوس نے شہزادے کو سامنے دیکھ کر بھاگنا چاہا، مگر سیاہ مہرے کے اثر سے بھاگنے کے قابل ہی نہ رہا، شہزادے نے اُسے شمشیرِ جمشیدی سے ٹکڑے کیا۔ ایلاوٗس کے مرتے ہی اُس کے غُلاموں نے امان طلب کی۔ فتح کے بعد شہزادے نے لَوحِ زُحل کے مشورے سے سیاہ مہرہ پانی میں دھو کر قصرِ عالی مقام کی دیواروں پر چھڑکا۔ اُس وقت جادُو کا اثر جاتا رہا۔ نور

البصر پری آزاد ہوئی اور اپنی ماں روشن پری کے گلے سے لگی۔

اب میں سب حافظ نرَبُور جِن کی ملاقات کے لیے آئے۔ اس نے شہزادے کو اس عظیم فتح کی مبارک باد دے کر کہا کہ اِس طبقے میں آپ کا مال تین جگہ ہے۔ گوہرستان سے آپ کو مل گیا۔ اب اِس گُنبد سے ملے گا۔ اور قصرِ عالی مقام میں جو کُچھ ہے، آپ کا ہے۔ چوتھی جگہ کا مال آپ کو نہ ملے گا، بلکہ سترہ برس بعد آپ کا بیٹا شہزادہ معزّالدّین اسے حاصل کرے گا۔

اس فتح کے چند روز بعد نرَبُور جِن بیمار ہوا اور وفات پا گیا۔ شہزادے کو اُس کے مرنے کا بے حد صدمہ ہوا۔ جب اُسے دفن کر کے قصرِ عالی مقام میں واپس آیا تو نیند سے آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ قصر کے ایک کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور لیٹتے ہی بے خبر سو گیا۔ اگلے روز مُنہ اندھیرے آنکھ

کھُلی تو اپنے آپ کو گُنبد کے باہر پڑے پایا۔ دروازے کی کُنجی بدستور ہاتھ میں تھی۔ نہ قصرِ عالی مقام تھا، نہ مَلِکہ نورالبصر اور نہ وہ شہر سمجھ گیا کہ اس طبقے کی سیر ختم ہوئی۔

ارقم جِن اور ریختاش نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ شہزادے نے شروع سے آخر تک تمام واقعات سنائے۔ اب صرف ساتواں طبقہ باقی رہ گیا تھا جو گُنبد عجبستان کے ساتھ تھا۔

اگلے روز شہزادے نے لَوح زُحل کو بوسہ دے کر اس سے آئندہ کے لیے مشورہ طلب کیا۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، چھٹے طبقے کی سیر مبارک ہو۔ اب خُدا کا نام لے کر ہفتے کے روز ساتویں طبقے کی جانب روانہ ہونا۔ ضرورت کے وقت لَوح سے مشورہ کرنا۔"

ہفتے کے روز شہزادہ کُنجی سے گُنبد کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو دروازہ غائب ہو چکا تھا۔ دِن بھر تاریکی میں چلتا رہا۔ اندازہ کیا کہ اب رات ہو گئی ہو گی کہ اچانک گُنبد کی چھت سے روشنی کی ایک لہر سی نمودار ہوئی اور شہزادے کے ساتھ ساتھ سفر کرنے گئی۔ کُچھ دیر بعد پانی کے ایک چشمے پر پہنچا۔ وضو کر کے عشاء کی نماز ادا کی۔ جب سلام پھیرا، اپنے سامنے ایک دستر خوان بچا ہوا پایا، جس پر طرح طرح کے لذیذ کھانے اور شربت قیمتی برتنوں میں رکھے تھے۔ شہزادے نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور سو گیا۔

جی بھر کر سونے کے بعد آنکھ کھُلی تو اپنے آپ کو تازہ دم پایا۔ اس چشمے میں نہا کر آگے چلا۔ سات دِن اور سات راتیں مسلسل ایسا ہی ہوا کہ تھکا ہارا پانی کے چشمے پر پہنچتا، نماز پڑھنے کے بعد اپنے سامنے دستر خوان اور

لذیذ کھانے پاتا۔ ایک مرتبہ جو کھانا کھالیتا، وہ کھانا دوبارہ سامنے نہ آتا۔

ساتویں روز کی رات کے پچھلے پہر یکایک آنکھ کھلی۔ ایک دروازہ سا دِکھائی دیا۔ اس میں سے نکلا۔ ایک پُر فضا باغ سامنے تھا جس میں پھول کثرت سے کھلے تھے۔ شہزادہ سیر کرتا ہوا ایک خوش نما عمارت کے قریب آیا۔ دیکھا کہ ایک شخص فقیرانہ لباس پہنے بیٹھا ہے۔ پاس ہی آگ کا الاؤ روشن ہے۔ چند خادم بھی خدمت کے لیے موجود ہیں۔ فقیر کے سامنے ایک خوب صورت نوجوان ادب سے بیٹھا ہے اور رو رو کر بڑی منّت خوشامد سے کُچھ عرض کر رہا ہے۔

شہزادے نے لَوحِ زُحل سے حال پوچھا۔ جواب ملا کہ بے دھڑک اُس فقیر کے پاس جا بیٹھو اور تماشا دیکھو۔ شہزادہ آگے بڑھا، فقیر کے نزدیک جا بیٹھا اور اس سے پوچھا کہ اے درویش، یہ کون نوجوان ہے اور کیوں اس

قدر روتا ہے ؟

درویش نے نظر اُٹھا کر غور سے شہزادے کو دیکھا اور پھر جواب دیا :

"اس نوجوان کے پاس ایک تصویر تھی۔ تین مرتبہ اُس نے وہ تصویر گم کی اور میں نے جِنوں کے ذریعے منگوا دی۔ اب چوتھی بار تصویر کھو دی ہے اور مُجھ سے کہتا ہے کہ جِنوں کے ذریعے تلاش کراؤں۔ بار بار یہ کام کر کے میں عاجز آچکا ہوں۔"

شہزادے نے اُس نوجوان سے پوچھا : "کیا یہ بات سچ ہے ؟"

اس نے کہا : "بے شک سچ ہے۔ تین مرتبہ جِنوں کے ذریعے تصویر منگوا کر دی، مگر پہلی بار میں نے سونا چاندی اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ دوسری مرتبہ بیش قیمت لعل و جواہر نذر کیے۔ تیسری مرتبہ اپنے تمام

ہتھیار انہیں دے دیے۔ اب چوتھی بار بھی تصویر منگوا کر دینے کی اُجرت چاہتے ہیں، لیکن اب میرے پاس کُچھ باقی نہیں بچا جو اُن کی خدمت میں پیش کروں۔"

فقیر نے غضب کی نگاہ سے اُس جوان کو دیکھا اور اپنے لباس کے نیچے سے خنجر نکال کر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن شہزادے نے لپک کر اس زور کا گھونسا فقیر کے مارا کہ اُس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور وہ آواز نکالے بغیر وہیں مر گیا۔

یہ فقیر اصل میں جادُوگر تھا اور اُس کے خادم اور شاگرد بھی سب جادُوگر تھے۔ انہوں نے جمع ہو کر شہزادے پر حملہ کیا مگر شمشیرِ جمشیدی نے سب کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ صرف ایک شاگرد زندہ بچا۔ اُس نے شہزادے کی اطاعت قبول کی۔ اُس کا نام کوچک تھا۔ اُس سے شہزادے نے کہا کہ

اس جوان کے سامنے اپنے اُستاد کا صحیح صحیح حال بیان کر۔ کوچک نے کہا :

"بات یہ ہے کہ اُستاد جادُو کے زور سے اُس جوان کو غفلت کی نیند سلا کر اپنے شاگردوں کے ہاتھ ہر مرتبہ تصویر منگوا لیتا تھا۔ پھر اس جوان سے معاوضہ لے کر تصویر واپس کرتا۔"

شہزادے نے اس جوان سے کہا کہ اپنا حال بیان کرو کہ تُم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ اُس نے یُوں اپنا ماجرا کہا :

"اے شہزادے، سمانیہ نام کا ایک ملک ہے۔ سمعا نوش وہاں کا بادشاہ تھا۔ اُس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام وہم افروز تھا۔ بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ جب بادشاہ مر گیا تو مَلِکہ وہم افروز تخت پر بیٹھی۔"

شہزادہ وہم افروز کا نام سُن کر حیران ہوا کہ یہ جوان تو پہلے طبقے کا حال بیان کر رہا ہے۔ جوان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا :

"میرا نام محمود سبز پوش ہے اور میں مَلِکہ وہم افروز کے چچا کا لڑکا ہوں۔ اس کے علاوہ میں اُس کا دودھ شریک بھائی بھی ہوں، کیوں کہ میری ماں نے وہم افروز کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اُس کا وزیر اختر شناس جِن تھا۔ اسے مُجھ سے خُدا واسطے کا بیر تھا۔ اُس نے وہم افروز کو پٹّی پڑھائی کہ محمود سبز پوش کی نیّت خراب ہے اور یہ سلطنت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اُسے قید خانے میں ڈال دیا جائے تاکہ سلطنت کے خلاف سازش نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے مُجھے ایک رات گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔

انھی دِنوں وہم افروز نے کسی وجہ سے اپنے آپ کو کنوئیں میں گرا کر خُود

کُشتی کرلی۔ تب وزیر نے مجُھے قید سے نکال کر تخت پر بٹھایا۔ میں نے حکُم دیا کہ وہم افروز کو کنویں سے نکال کر زمین میں دفن کرو۔ وزیر نے جواب دیا کہ اس کنویں کی خاصیت یہ ہے کہ جواِس میں ِگرتا ہے، پھر اُس کا نشان نہیں ملتا۔ خبردار! آئندہ وہم افروز کا نام نہ لینا ورنہ تمہیں تخت سے اُتار دوں گا۔

میں اس وقت تو چُپ ہو رہا، مگر ایک روز آدھی رات کے بعد اپنے محل کے پہرے داروں کی آنکھ بچا کر اور بھیس بدل کر باہر نکالا۔ اِس کنویں پر پہنچا اور کمند کے ذریعے اندر اُترا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تہہ میں ایک دروازہ ہے۔ اِس دروازے میں داخل ہوا۔ ایک لمبی سُرنگ نظر آئی۔ سُرنگ میں چلتا گیا۔ اُس کے سِرے پر ایک اور دروازہ تھا۔ اِس دروازے سے نکلا تو ایک پُر فضا باغ نگاہوں کے سامنے تھا۔ چند قدم چلا تھا کہ ایک تخت

پر نہایت خوب صورت شہزادی بیٹھی دکھائی دی۔ اِرد گرد کنیزوں کا ہجوم تھا۔ جب انہوں نے مُجھے دیکھا تو پکڑ کر شہزادی کے سامنے لے گئیں۔ شہزادی نے غضب کی نگاہ سے مُجھے دیکھا اور کہنے لگی کہ اے بے وقوف، کیا تُجھے اپنی جان کا خوف نہ تھا جو اس مقام پر چلا آیا؟

میں نے ادب سے گردن جھُکا کر کہا کہ معافی چاہتا ہوں۔ مُجھے بالکل خبر نہ تھی کہ اِس جگہ آپ کی حکومت ہے۔ یہ سُن کر شہزادی مُسکرائی اور مُجھے ایک طرف بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانے پینے اور گانے بجانے کی مجلس آراستہ ہوئی۔ شہزادی کا نام ماہ سبز پوش تھا۔ اس نے ایک تھالی میں مُجھے بھی کھانا بھجوایا۔ کیا کہوں، ایسا لذیذ کھانا زندگی بھر نہ کھایا تھا۔

تین روز تک میں اس باغ میں رہا۔ چوتھے روز جب آنکھ کھلی تو وہاں کُچھ نہ

تھا۔ شہزادی ماہ سبز پوش اوراس کی کنیزوں کی تلاش میں کئی دِن تک باغ میں مارامارا پھرااور خوب رویا مگر اُن کا نام و نشان نہ پایا۔ آخر طے کر لیا کہ مرتے دم تک اِس باغ میں رہوں گا اور یہاں سے ہر گز ہر گز کہیں اور نہ جاؤں گا۔ بہت دِن اِسی طرح گزر گئے۔ میری حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔

ایک دِن کا ذکر ہے، صُبح آنکھ کھُلی تو اپنے سرہانے دو کاغذ رکھے پائے۔ ایک کاغذ پر تو شہزادی سبز پُوش کی تصویر تھی اور دوسرے کاغذ پر اس کا خط تھا۔ اِس خط میں لکھا تھا کہ اے نوجوان، کیوں اپنا حال تباہ کرتا ہے۔ میں کسی اور کے قبضے میں ہوں۔ ایک سال بعد دوبارہ اس باغ میں آؤں گی۔ اگر ایک سال انتظار کرنے کی ہمّت نہ ہو تو باغ کے مغربی دروازے سے نکل کر ناک کی سیدھ میں چل پڑ۔ چند روز بعد ایک فقیر کی خانقاہ میں پہنچے گا۔ اِس خانقاہ کی نشانی یہ ہے کہ وہاں درختوں پر سبز رنگ کے کبوتر بیٹھے ہوں

گے۔ اِس خانقاہ میں رُک جانا۔ خُدا تیری آرزو پوری کرے گا۔ یہ بات میں نے ایک نجومی کے کہنے سے لکھی ہے۔

میں یہ خط پڑھ کر بہت حیران ہوا۔ پھر ارادہ کیا کہ جس سُرنگ کے راستے اِس باغ میں آیا ہوں، اُس راستے سے اپنے مُلک کو واپس چلا جاؤں اور جب ایک سال بعد شہزادی سبز پوش یہاں آئے تو آن کر اُسے اپنے ساتھ لے جاؤں، مگر اُس سُرنگ کا دروازہ ہی نہ ملا۔ مجبور ہو کر باغ کے مغربی دروازے سے نکلا اور ناک کی سیدھ میں چلتا ہوا آخر کار اِس خانقاہ تک آیا۔ اِس کے بعد جو حالات پیش آئے، ان سے آپ واقف ہیں۔"

شہزادے نے اُسے دِلاسا دیا۔ پھر اُس کی تصویر، مال و دولت اور ہتھیار واپس دِلائے۔ کوچک کو خانقاہ کے مال و اسباب کا مالک بنا کر وہاں چھوڑا اور خود محمود سبز پوش کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ چوتھے روز وہ ایک قافلے

کے نزدیک پہنچے۔ دونوں کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ شہزادے نے محمود کو قافلے والوں سے کھانے پینے کا سامان خریدنے کے لیے بھیجا۔ اس قافلے کا سردار خواجہ روشن تھا۔ اُس نے شہزادے کے بارے میں سُن رکھا تھا کہ وہ طِلسم جمشید فتح کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ خواجہ روشن کو شہزادے سے عداوت تھی۔ وہ محمود سبز پوش سے شہزادے کا حال سُن کر اُس کے ساتھ شہزادے کے پاس آیا اور بڑی منّت سماجت سے اپنا مہمان بنا کر لے گیا۔ اتنے میں شہزادے نے خواجہ روشن کے دِل کا حال لَوح سے معلوم کر لیا تھا۔

جب دستر خوان پر کھانا چُنا گیا، تب شہزادے نے اپنے آگے سے کھانا اُٹھا کر خواجہ روشن کے آگے رکھ دیا اور اُس کا کھانا خود لے کر کھانا شروع کر دیا۔ محمود سبز پُوش نے بھی ایسا ہی کیا۔ خواجہ روشن نے شہزادے کی یہ

حرکت دیکھی تو سخت گھبرایا، کیوں کہ اُس نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا اور یہ زہر ایسا تھا کہ اگر اُس کا ایک ذرّہ بھی شہزادے کے پیٹ میں پہنچ جاتا تو زندہ بچنا محال تھا۔ شہزادے نے ہنس کر خواجہ روشن سے کہا :

"کھانا کھائیے۔ آپ کس سوچ میں گُم ہیں؟"

خواجہ نے ہکلا کر جواب دیا : "میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔" یہ سُن کر شہزادے نے قہقہہ لگا کر کہا : "جھوٹ بولتے ہو۔ تمہارے پیٹ میں نہیں، بلکہ دِل میں میری دُشمنی کا درد ہے۔"

یہ کہہ کر ایسا طمانچہ اُس کے مُنہ پر مارا کہ بتیسی باہر آ گئی۔ یہ دیکھ کر خواجہ کے غلام شہزادے پر وار کرنے کے لیے بڑھے مگر سب مارے گئے۔ خواجہ روشن کے بیٹے نے دِل سے اِطاعت قبول کیا۔ اس نے ایک جوان کو پیش کیا جسے اُس کے باپ نے ایک صندُوق میں قید کر رکھا تھا۔ اس

جوان کا چہرہ زرد اور ہونٹ خُشک تھے اور ہر دم ٹھنڈی آہ بھرتا تھا۔ شہزادے نے اس سے کہا کہ اپنا حال بیان کرو تو اُس جوان نے عرض کیا:

"میرا نام راقم ہے۔ میرا باپ بنادق شاہ بندر جیل کا بادشاہ تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد وزیر نے مُجھے تخت پر بٹھایا۔ اُن دِنوں بندر جیل کے صحرا میں ایک موذی اژدہے نے رعایا کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ میں نے جوانی کے جوش میں اُس اژدہے کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وزیر نے ہر چند اِس اِرادے سے باز رہنے کی نصیحت کی، مگر میں نے ایک نہ سنی اور صحرا میں جا کر اژدہے کو ہلاک کرنے کی ہر مُمکن کوشش کی لیکن ہر کوشش ناکام ہوئی۔

آخر اژدہے نے اِس زور سے سانس کھینچا کہ میں اُس کے مُنہ میں داخل ہو

گیا اور بے ہوش ہوا۔

جب حواس درست ہوئے تو اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا جہاں سرد پانی کے چشمے تھے اور پھل دار درخت۔ میں نے ایک چشمے سے پانی پیا اور انجیر کے درخت سے چند دانے توڑ کر کھائے۔ یکایک آسمان پر اَبر آیا اور بارش ہونے لگی۔ دیکھا کہ تصویر کھینچنے کا سب سامان میرے پاس موجود ہے۔ میں نے اس باغ کی تصویر بنانی شروع کی۔ اتنے میں ایک عورت گلاب کی شاخ ہاتھ میں لیے نمودار ہوئی اور کہنے لگی کہ اگر تُو واقعی مصوّر ہے تو میرے ساتھ چل اور مَلِکہ کی تصویر کھینچ۔

میں اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ کیا دیکھا کہ ایک چشمے کے کنارے پھولوں کے کُنج میں تخت پر ایک شہزادی بیٹھی ہے اور پانچ سو کنیزیں اُس کی خدمت میں حاضر ہیں۔ میں نے اس شہزادی کی تصویر بڑی محنت سے بنائی

اور شہزادی نے خوش ہو کر بہت سا روپیہ مجھے دینا چاہا تو میں نے کہا کہ اے شہزادی، یہ کام میں نے دولت کے لالچ میں نہیں کیا۔ یہ سُن کر وہ چُپ ہو گئی۔ اس کا نام ناہید تھا۔ پھر اُس نے کنیزوں کو حُکم دیا کہ میری خاطر تواضع کریں۔

تین روز تک میں وہاں رہا۔ چوتھے روز شہزادی نے کہا کہ تیری کوئی درخواست ہے تو بیان کر۔ میں نے کہا کہ تُجھ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر شہزادی ناہید نے کہا کہ اے راقم، اگر تیری یہ درخواست ہے تو پھر فوراً جنوب کی جانب روانہ ہو۔ ایسا ہی ایک خوش نُما باغ تُجھے نظر آئے گا جس میں عظیم الشّان عمارتیں بنی ہوں گی۔ اُس باغ کا دروازہ اندر سے بند ہو گا۔ دروازے کے باہر درخت کے نیچے قیام کرنا۔ ایک روز وہ دروازہ خود بخود کھُلے گا۔ تو اُس وقت باغ میں داخل ہونا۔ ایک عمارت

خالص فیروزے کی بنی ہے۔ اُس میں چلے جانا۔ خُدا نے چاہا تو وہیں ملاقات ہوگی۔

یہ کہہ کر شہزادی اور اُس کی سب کنیزیں غائب ہو گئیں۔ میں انتہائی پریشان ہوا، لیکن شہزادی کی ہدایت کے مطابق جنوب کی طرف چل پڑا۔ ابھی چار منزلیں طے کی تھیں کہ ایک سوداگر کے قافلے میں پہنچا جسے آپ نے ابھی ابھی طمانچہ مار کر جہنّم رسید کیا ہے۔ اِس سوداگر نے جو اپنا نام خواجہ روشن بتاتا تھا، بڑی محبّت سے میری دعوت کی۔ میں نے خُدا کا نام لے کر کھانا کھایا۔ خواجہ روشن شیطان پرست تھا۔ بھلا خُدا کا نام اُسے کیوں گوارا ہوتا۔ اُس نے یہ بات اپنے دِل میں رکھی اور دوسرے دِن کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا دی۔ میں اُسے کھا کر بے ہوش ہوا۔ اُس نے مُجھے صندُوق میں بند کر دیا۔ یہ ہے میری داستان۔“

نِرالی داستان

شہزادے نے راقم کو تسلّی دی کہ خُدا پر بھروسا رکھو۔ سب کام درست ہو جائے گا۔ اس کے بعد لَوح سے مشورہ کیا۔ صرف اتنی ہدایت ملی کہ یہاں سے دائیں جانب روانہ ہو جاؤ۔ شہزادے نے محمود سبز پوش اور راقم سمیت اِدھر ہی کا رُخ کیا۔ پانچویں روز چِنار کے ایک عظیم الشّان درخت تلے آرام کیا، جس کی چوٹی آسمان کو چھوتی دِکھائی دیتی تھی اور اُس درخت

کا سایہ ایک میل تک زمین کو گھیرے ہوئے تھا۔

یکایک ایک درد ناک آواز شہزادے کے کان میں آئی۔ شہزادے نے لَوح کے مشورے سے محمود سبز پوش اور راقم کو درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپایا۔ یہ جھُنڈ چنار کے درخت سے کوئی دو کوس دور تھا۔ اِس کے بعد شہزادہ لَوح سر سے باندھ کر چِنار کے پاس آیا۔ دیکھا کہ اٹھارہ برس کا ایک خوب صورت نوجوان درخت کی ایک شاخ سے جکڑا ہوا چیختا چلّاتا ہے اور وہ درد ناک آواز اُس نوجوان کی تھی۔ اتنے میں ہوا کا طوفان آیا۔ اِس طوفان میں سے ہیبت ناک شکل کا ایک دیو زمین پر اُترا۔ اِس دیو نے آن کر نوجوان کو کھولا۔ پھر چند پھل اسے کھلائے۔ اِس کے بعد دیو وہیں لیٹ گیا اور نوجوان سے بولا:

"کوئی مزے دار کہانی سُنا، لیکن یاد رکھ! اگر کوئی ایسی کہانی سُنائی جو میں پہلے

بھی سُن چکا ہوں تو تُجھے کچّا ہی چبا جاؤں گا۔"

اس پر نوجوان قیدی نے یہ قصّہ سُنایا :

"اے دیو، ایک آدم زاد شہزادہ انسانوں کے ملک سے پری زادوں کی دُنیا میں آیا ہے۔ اُستادارغنُون کے ذریعے وہ روح بخش پری سے ملا اور مرغِ موسیقار کے مقام پر پہنچ کر موسیقی کی تعلیم حاصل کی۔"

شہزادے نے اپنے دِل میں کہا : "سبحان اللہ! یہ نوجوان تو وہ واقعات بیان کرتا ہے جو تیسرے طبقے میں مُجھ پر گُزرے ہیں۔ غرض اس نوجوان نے شہزادے کے اصوات دیو کو قتل کرنے کا قصّہ تفصیل سے سُنایا۔

دیو نے تمام واقعات سُن کر قہقہہ لگایا اور کہنے لگا : "اے نوجوان، کیا بے پَر کی اُڑاتا ہے؟ بے شک قصّہ دِل چسپ ہے، مگر سراسر جھوٹ،

بکواس۔ کہیں آدم زاد بھی دیوؤں اور جِنوں کو قتل کرتے ہیں؟ بس اب زیادہ ٹیں ٹیں نہ کر۔ مُجھے نیند آرہی ہے۔"

یہ کہہ کر دیو نے اُس غریب کو پھر درخت سے باندھ دیا اور خود مزے سے خرّاٹے لینے لگا۔

شہزادہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور تمام حال بیان کیا۔ پھر دوسرے روز انہیں لے کر چِنار کے قریب آیا اور کہا کہ اے نوجوان، تُم پر سلام ہو۔ نوجوان نے جواب دیا، بھائی، میں سلامتی سے دُور ہوں۔ دیکھتے ہو کہ ایک ظالم دیو کی قید میں ہوں۔ اب تُم جلد یہاں سے نکل بھاگو، ورنہ یہ مُوذی جاگ گیا تو تم تینوں کو چیر پھاڑ کر ہڑپ کر جائے گا۔

یہ سُن کر شہزادہ ہنسا۔ پھر خنجر نکال کر وہ رسّیاں کاٹیں جن سے دیو نے اُسے باندھا تھا۔ رہا کرنے کے بعد اُس کا احوال پوچھا۔ اُس نے کہا کہ خُدا کی قسم

میں اتنا ڈرا ہوا ہوں کہ ایک کلمہ بھی میری زبان سے نکلنا مُشکل ہے۔

شہزادے نے کہا: "اب تو خوف اپنے دِل سے دُور کر کہ اس دیو کے قتل اور تیری نجات کا وقت قریب آن پہنچا لیکن بہتر یہ ہے کہ آج رات اِس دیو کے سامنے روح بخش پری کے قصّے کے بعد اپنی آپ بیتی بیان کرنا اور فاتح طِلسم کے آنے کی اُسے خبر دینا۔"

اِس کے بعد شہزادے نے نوجوان کو اُسی طرح دوبارہ درخت سے باندھ دیا۔ محمود سبز پوش اور راقم کو وہیں ایک گوشے میں چھپایا، لَوح اپنے سر پر باندھی اور دیو کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔

دیو شام کے وقت جاگا اور نوجوان قیدی سے بولا۔ "تُو نے کل جو قصّہ سُنایا، تھا تو وہ جھوٹا لیکن مزے دار تھا۔ اب اُسے مکمل کر، میں سُننے کا مشتاق ہوں۔"

جوان نے کہا: "اے دیو، غور سے سُن کہ یہ قصّہ جھوٹا نہیں۔ اِس کا ایک ایک حرف سچّا ہے۔ جب آدم زاد شہزادے نے اصوات دیو اور اُس کے لشکر کو قتل کیا تو بادشاہ ظفر نوش نے اپنی بیٹی روح بخش پری کی شادی اُس شہزادے سے کر دی۔ اب روح بخش پری کے بھائی حمید کا ماجرا سُنو۔

بادشاہ ظفر نوش کو گانے کا بہت شوق تھا۔ اُس نے اُستاد اَرغنُون کو طلب کیا۔ اَرغنُون کی بیوی مر چکی تھی اور صرف اس کی ایک بیٹی تھی۔ ظفر نوش نے اَرغنُون کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اُس سے حمید پیدا ہوا، مگر اُن ماں بیٹے کو سیمیں حِصار مُلک کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ طبیبوں نے مشورہ دیا کہ اِن دونوں کو جزیرہ فرحانہ میں بھیج دیا جائے۔ اُسی جزیرے میں حمید جوان ہوا۔ اس کے بعد ظفر نوش نے حمید کو اپنے پاس بلا لیا۔

روح بخش پری کا ایک خوب صورت باغ تھا۔ حمید نے اپنے باپ سے کہا

کہ یہ باغ مُجھے دے دیا جائے۔ ظفر نوش نے کہا کہ یہ باغ حُکمِ الٰہی سے اندر سے بند ہو گیا ہے۔ حمید اُس وقت تو خاموش رہا، لیکن ایک دِن شکار کے بہانے سے گھوڑے پر سوار ہوا اور پہرے داروں کو غافل پا کر رات کے وقت اُس باغ کی طرف گیا۔ دیکھا کہ واقعی باغ کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ کمند پھینک کر دیوار پر چڑھا اور باغ کے اندر جا اترا۔ وہاں پری زادوں نے جشن برپا کر رکھا تھا۔ انہی میں روح افزا پری بھی تھی۔ اُس نے حمید کی بڑی خاطر تواضع کی۔

تین روز بعد روح افزا پری نے حمید کو ایک شربت پلایا جسے پیتے ہی وہ سو گیا۔ آنکھ کھلی تو باغ میں کوئی نہ تھا بلکہ اس نے اپنے آپ کو ایک ویرانے میں پایا۔ آخر ایک طرف روانہ ہوا۔ تمام دِن چلتا رہا۔ رات آئی تو ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ رات بھر جنگلی درندوں کی ہولناک آوازیں

سُنائی دیتی رہیں۔ جُوں تُوں کر کے صُبح کی اور آگے روانہ ہوا۔ ظہر کے وقت ایک محل نظر آیا۔ حمید اُس میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ محل کے باغ میں روح افزا تخت پر بیٹھی ہے۔ حمید اس کی طرف دوڑا، لیکن جب قریب گیا تو ایک دم روح افزا کی صورت بدل گئی۔ اب اس خوب صورت شہزادی کے بدلے بھیانک شکل کی ایک چڑیل تخت پر بیٹھی دکھائی دی جس کے لیے لیے دانت مُنہ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

اُس چڑیل کو دیکھتے ہی حمید بے ہوش ہو گیا۔ جب حواس درست ہوئے تو وہاں محل تھا نہ باغ۔ نہ تخت اور نہ وہ چڑیل۔ آگے روانہ ہوا۔ چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور ایک ایک پیر مَنوں وزنی ہو گیا۔ تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ رہا۔

تھوڑی دیر میں ایک اونٹ سوار نمودار ہوا۔ حمید نے اُس کی منّت سماجت

کی۔ اُسے کُچھ ترس آیا۔ اُس نے حمید کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا لیا۔ اونٹ حمید کے سوار ہوتے ہی گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگا۔ حمید نے اونٹ والے پر جب نظر ڈالی تو وہی خبیث چڑیل تھی۔ ایک بار پھر بے چارہ ڈر کر بے ہوش ہو گیا۔ بہت دیر میں ہوش آیا۔ دیکھا کہ اونٹ ہے، نہ وہ چڑیل۔

جب حمید نے خُدا کے پاک نام پڑھ کر اپنے اوپر دم کیے اور گرتا پڑتا آگے چلا گیا۔ تین روز بعد دریا کے کنارے ایک باغ نظر آیا۔ کُچھ ڈرا ڈرا سہما سہما اُس باغ میں چلا گیا۔ جا بجا کنیزیں اور خدمت گار اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ سیر کرتا ہوا ایک بارہ دری میں پہنچا۔ دیکھا کہ شہزادی روح افزا وہاں موجود ہے۔ اُس نے اُٹھ کر حمید کا استقبال کیا اور اپنے برابر بٹھا کر بولی کہ خبر نہیں تم کیا کیا تکلیفیں اٹھا کر مُجھ تک پہنچے ہو۔ اب مناسب

یہی ہے کہ ہماری شادی ہو جائے۔

یہ سُن کر حمید بہت خوش ہوا۔ روح افزا نے حُکم دیا کہ نکاح پڑھانے کے لیے قاضی کو بلایا جائے۔ اِس حُکم کی دیر تھی کہ ایک شخص سیاہ فام نمودار ہوا جس کی داڑھی زرد رنگ کی اور آنکھیں سُرخ تھیں۔ روح افزا نے اس سے کہا قاضی جی، میرا حمید سے نکاح پڑھا دیجیے۔ میں اس سے شادی کرنا قبول کرتی ہوں۔

قاضی نے کہا۔ "یہ کیا کہتی ہو؟ اِس شخص سے تو میری بیٹی شادی کرنا چاہتی ہے اور اِس وقت وہ میرے ساتھ ہی آئی ہے۔"

یہ سنتے ہی شہزادی روح افزا کی شکل بدلی اور پھر وہی بھیانک چڑیل بن کر قاضی پر جھپٹی۔ حمید تھر تھر کانپتا ہوا وہاں سے بھاگا۔ قاضی بھی بھُوت میں بدل کر حمید کے پیچھے دوڑا۔ حمید باغ سے نکل کر دریا میں کود پڑا۔ اس وقت

بھُوت نے پُکار کر کہا کہ اے دریا کی بلاؤ، مُدّت بعد یہ شکار ہاتھ میں آیا تھا، لیکن اِسے خُدا کے پاک نام یاد ہیں اس لیے بچ گیا۔ اب یہ تمہارے پاس آیا ہے۔ تم اسے اس قدر ڈراؤ اور تنگ کرو کہ یہ ہلاک ہو۔ خبردار! اِس کا گوشت اکیلے اکیلے مت کھانا۔ ہمیں بھی حصّہ دینا۔

حمید پانی میں تیرتا چلا جاتا تھا۔ جب وہ دریا کے درمیان میں پہنچا۔ ایک عظیم مگرمچھ اپنا غار سا مُنہ کھول کر اس کی طرف لپکا۔ حمید نے خوف زدہ ہو کر خُدا کو مدد کے لیے پکارا۔ اِس وقت وہ مگرمچھ غائب ہوا لیکن دائیں جانب سے ایک ہیبت ناک مچھلی پیدا ہوئی اور حمید کو ہڑپ کرنے کے لیے تیزی سے آئی۔ اُس نے پھر خُدا سے فریاد کی مچھلی بھی غائب ہوئی۔ اتنے میں چار آنکھوں والا ایک زبردست دیو ہوا میں اُڑتا ہوا آیا اور جھپٹا مار کر حمید کو دریا میں سے اُٹھا لے گیا۔"

نوجوان ابھی یہیں تک سُنانے پایا تھا کہ دیو چلّا اٹھا اور اُسے گالیاں دیتے ہوئے بولا :

"اب میں سمجھا۔ یہ قصّہ تو تیرا تھا، کیوں کہ میں ہی تُجھے دریا سے اٹھا کر لایا تھا۔ خیر، مُجھے بھوک لگ رہی ہے اور میرا خیال ہے آج تیرے لذیذ گوشت ہی سے پیٹ بھروں۔"

یہ سُن کر نوجوان نے کہا : "تُجھے اختیار ہے کہ مُجھے ہڑپ کرے یا چھوڑ دے ، مگر ابھی قصّہ تمام نہیں ہوا۔ تھوڑا سا باقی ہے۔ وہ بھی سُن لے۔"

"اچھّا سُنا ، جلدی کر۔" دیو نے کہا۔

"وہ دیو حمید کو دریا سے اُٹھا کر چِنار کے ایک درخت کے نیچے لایا۔ پھر ارادہ کیا کہ اُسے کاٹ کر کباب بنائے۔ حمید نے زندگی سے مایوس ہو کر خوش

آوازی سے چند شعر پڑھے۔ دیو اُس کا گانا سُن کر خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اے نوجوان، تو گاتا بہت اچھّا ہے۔ ابھی تُجھے چند دِن زندہ رکھوں گا تاکہ مُجھے روز گانا سُنائے اور اچھّی اچھّی داستانیں کہے۔ مُجھے گانا اور داستان سُننے کا بڑا شوق ہے۔

ایک روز دیو حمید کو درخت سے باندھ کر شکار کے لیے گیا تھا کہ تین شخص آئے۔ اُن میں سے ایک آدم زاد تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں اس طِلسم کو فتح کرنے آیا ہوں۔ اُس آدم زاد نے حمید سے کہا کہ تو دیو سے اپنا قصّہ بیان کرنا تاکہ میں سُنوں اور دیو کو قتل کر کے تُجھے رہائی دلاؤں۔"

یہ کہہ کر نوجوان خاموش ہوا۔ دیو اُٹھ بیٹھا اور سخت غضب ناک ہو کر بولا:
"اے نوجوان، اب میں سمجھا۔ یقیناً حمید تو ہی ہے، مگر وہ آدم زاد جو مُجھے قتل کرنے آیا ہے، کِدھر ہے؟"

حمید نے کُچھ جواب نہ دیا۔ اُس وقت شہزادہ لَوح سر سے اُتار کر ظاہر ہوا اور اللہ اکبر کا ایسا نعرہ مارا کہ تمام صحرا تھرّا گیا۔ دیو اس نعرے سے چوہے کی مانند سہم گیا، لیکن شہزادے کو دیکھ کر کُچھ حواس درست ہوئے اور دِل میں خیال کیا کہ میں اتنے سے قد کا آدم زاد بھلا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ مذاق کرتے ہوئے بولا :

"بھئی واہ! میں تو سمجھ رہا تھا کہ فاتح طِلسم کا قد کم از کم پانچ ہزار گز ہو گا لیکن تُم تو ایک معمولی خرگوش کے برابر نکلے۔ تُم جیسے پچاس آدم زادوں کو میں ایک نوالے میں ہڑپ کر سکتا ہوں۔"

یہ کہ کر شہزادے کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ شہزادے نے اُس کا پنجہ تھام کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ دھڑام سے مُنہ کے بل زمین پر گِرا۔ سچ ہے غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ شہزادے کی طاقت دیکھ کر دیو چکرایا اور سمجھا کہ

معاملہ بے ڈھب ہے۔ اُٹھ کر بھاگنے کا ارادہ کیا، مگر سیاہ مُہرے کی برکت سے بھاگ نہ سکا۔ زمین نے پاؤں جکڑ لیے۔ شہزادے نے کمند اُس کی گردن میں ڈالی اور ہر طرح بے بس کرنے کے بعد لَوحِ زُحل سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"اِس موذی کو چِنار کے اِس درخت سے باندھ دو۔ خود تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔"

دیو نے ہر چند فریاد کی، خوب گِڑگڑایا، رویا مگر شہزادے نے ایک نہ سُنی۔ درخت سے باندھ دیا۔ چند لمحے بعد دیو کا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اب شہزادہ اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ تین دِن بعد ایک باغ کے قریب پہنچا۔ باغ کا دروازہ بڑا عالی شان تھا لیکن بند تھا۔ شہزادے نے خُدا کا نام لے کر جو زور لگایا تو کھُل گیا۔ دیکھا کہ باغ میں نہریں رواں

ہیں۔ جا بجا رنگا رنگ پھول اور پھل دار درخت کثرت سے ہیں۔

وہ سیر کرتے ہوئے باغ کے دوسرے دروازے تک پہنچے۔ وہ بھی اندر سے بند تھا۔ شہزادے نے زور لگا کر اُسے بھی کھولا۔ آگے ایک اور پُر فضا باغ نظر آیا جو پہلے باغ سے بہت بہتر تھا۔ اس باغ میں عالی شان عمارتیں تھیں اور قیمتی پتھر اِن عمارتوں میں کثرت سے جڑے تھے۔ باغ کی سیر میں رات ہو گئی۔ وہیں ایک عمارت میں آرام کیا۔ دوسرے دِن پھر سیر کو نکلے۔ یکایک چار خوب صورت ہرن چوکڑیاں بھرتے ہوئے دِکھائی دیے۔ شہزادے نے اُن کے شکار کا ارادہ کیا۔ اِسی بھاگ دوڑ میں شہزادہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر باغ کے باہر جا نکلا اور وہاں تیر مار کر ہرن کو گرا لیا۔ اِس باغ کے باہر ہی دریا بہتا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دریا میں ایک تختہ بہا چلا آتا ہے اور تختے پر ایک جوان بے ہوش پڑا ہے۔

تھوڑی دیر بعد تختہ خود بخود کنارے پر آن لگا۔

شہزادے نے شکار کیے ہوئے ہرن کو کمند میں اور جوان کو اپنے کندھے پر لادا اور باغ میں واپس آیا۔ شہزادے کے تینوں ساتھی اس چوتھے جوان کو دیکھ کر حیران ہوئے اور جلدی سے انار کا رس اسے پلایا۔

جب جوان کے حواس درست ہوئے تو اس نے یُوں اپنا حال بیان کیا:
"میں زرّیں حِصار کے شہزادوں میں سے ہوں اور میرا نام خجستہ بخت ہے۔ اس سے پہلے ملک زرّیں حِصار کا بادشاہ خورشید زرّیں تھا۔ وہ ایک حادثے کی وجہ سے مُدّت تک تخت و تاج سے دور رہا۔ آخر ایک آدم زاد شہزادے کی مدد سے دوبارہ اپنی سلطنت پر قبضہ کیا۔ اس کے چند روز بعد خورشید زرّیں نے بیمار ہو کر وفات پائی۔ سلطنت کے وزیروں اور امیروں نے مُجھے تخت پر بیٹھنے کے لیے مجبور کیا، لیکن خورشید زرّیں کے

ایک رشتے دار جمشید نے میری حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ میرے اور اُس کے درمیان جنگ ہوئی۔ اِس جنگ میں مُجھے کاری زخم لگے اور میری فوج نے شکست کھائی۔

جمشید نے مُجھے ایک تختے پر بٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔ تختہ دو روز تک بہتا ہوا کنارے پر پہنچا۔ دریا کے کنارے ہی سنگِ مَر مَر کا ایک چبوترا نظر آیا۔ میں اُس چبوترے پر بیٹھ کر دریا کی سیر دیکھنے لگا۔ یکایک ایک کشتی دریا میں آتی دِکھائی دی۔ میں جھٹ سے ایک درخت پر چڑھ کر پتّوں میں چھُپ گیا۔ اِس کشتی میں سے بہت سے نوکر چاکر اُترے اور چبوترے پر عمدہ عمدہ قالین اور گاؤ تکیے لگائے۔ پھر اُسی کشتی میں سوار ہو کر واپس چلے گئے۔

شام کے وقت کئی کشتیاں آئیں۔ اُن میں سے بہت سی پریاں اُتریں اور چبوترے پر آن کر گانے بجانے کی محفل آراستہ کی۔ اُن ہی پریوں میں ایک

پری ایسی تھی جو اُن کی مَلِکہ دِکھائی دیتی تھی۔ گانے بجانے سے فارغ ہو کر صُبح کے وقت پریوں کی مَلِکہ نے ڈور اور بنسیاں طلب کیں اور دریا میں سے مچھلیاں پکڑنے کا ارادہ کیا۔ میں درخت سے اُتر کر دُور چلا گیا اور دریا میں کُود کر تیرتا ہوا مَلِکہ کے قریب آیا۔ پھر غوطہ مار کر عین اُس کے سامنے پانی سے سر باہر نکالا اور اِس طرح ہاتھ پیر مارنے شروع کیے جیسے ڈوبنے ہی والا ہوں۔

مَلِکہ نے فوراً ہاتھ بڑھا کر مُجھے نکالا اور کنیزوں کو حُکم دیا کہ میری خاطر تواضع کریں۔ مَلِکہ کا نام طالع افروز تھا۔ رات بھر پھر کھانے پینے اور گانے بجانے کی محفل آراستہ رہی۔ صُبح کے وقت مُجھ پر نیند کا غلبہ ہوا۔ دیر بعد جاگا تو وہاں کُچھ بھی نہ تھا۔ میں حیران پریشان اس تختے پر سوار ہوا اور جس طرف سے پریوں کی کشتیاں آئی تھیں، اُس طرف تختے کو لے گیا۔ تین روز تک

بھوکا پیاسا دریا میں بہتا رہا۔ آخر اتنی کمزوری ہوئی کہ بے ہوش ہو گیا۔ اب آپ نے مُجھے دریا سے نکالا۔"

شہزادے نے اُسے تسلّی دی اور کہا، خُدا نے چاہا تو سب معاملہ درست ہو جائے گا۔ محمود سبز پوش، راقم اور حمید نے ہرن کے جلد جلد کباب بنائے۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھائے، چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور گہری نیند سو گئے۔

اگلے روز یہ سب کے سب تیسرے باغ کے دروازے پر پہنچے، جو آخری اور پہلے دونوں باغوں سے ہر طرح بہتر تھا۔ دیکھا کہ اس کا دروازہ بھی دوسری طرف سے بند ہے۔ شہزادے نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا، مگر دروازہ نہ کھلا۔ عاجز آ کر لَوحِ زُحل سے مشورہ کیا، لکھا تھا:

"اے شہزادے، یہ دروازہ نہ کھلے گا۔ دیوار پر کمند پھینکو اور اُس کے

ذریعے باغ میں جاؤ۔ وہاں ایک درخت دیکھو ہے کہ اس کی چھال کا رنگ کالا ہے۔ اُس کی ایک شاخ کاٹ کر کُنجی تیّار کرو۔ کُنجی بناتے وقت اسمِ اعظم پڑھتے رہنا۔ دروازے کا تالا اُس کُنجی سے کھلے گا۔“

شہزادے نے یہی عمل کیا اور باغ کا دروازہ کھول کر ساتھیوں کو اندر بُلایا۔ باغ اتنا لمبا چوڑا اور خوب صورت تھا کہ جدھر جاتے، دِل کو خوشی ہوتی۔ تیسرے دِن اُن کا گُزر کھجور کے ایک درخت کے قریب سے ہوا۔ کسی شخص کے دردناک آواز میں رونے اور سِسکیاں بھرنے کی آواز سُنائی دی۔ اِدھر اُدھر اچھّی طرح تلاش کیا، لیکن کوئی دِکھائی نہ دیا۔ آخر لَوح دیکھی۔ لکھا تھا:

”اے شہزادے، چھ شخص ایسے ہیں جن کا کام تم سے نکلے گا۔ چار شخص تو تُم تک پہنچے، پانچواں کھجور کے اِس درخت کو اُکھاڑنے کے بعد برآمد ہوگا

اور چھٹا شخص بُلندی سے آئے گا۔" شہزادے نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور کھجور کا درخت ایک ہی ہلّے میں اُکھاڑ کر پھینک دیا۔ درخت کی جڑوں میں ایک سُرنگ سی دِکھائی دی۔ اتنے میں پندرہ سولہ برس کا ایک جوان اُس سُرنگ میں سے نکلا۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑی ہوئی، آنکھیں میں آنسو، ہونٹ کانپتے ہوئے۔ شہزادہ اُسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ بے چارہ کسی مُصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔

نوجوان نے آتے ہی شہزادے کو سلام کیا اور اُس کے ہاتھ چومے، پھر بے اختیار رونے لگا شہزادے نے اُسے گلے لگایا، حوصلہ دیا اور پوچھا:

"اے بھائی، تُو کون ہے؟ اپنا حال کہہ۔ شاید ہم لوگ تیری مُصیبت میں کُچھ کام آسکیں"

نوجوان نے آنسو پونچھ کر یوں کہنا شروع کیا:

"میرا نام لیث ہے اور میں تُرکان شاہ کا بیٹا ہوں۔ جب خُوں خوار قصاب نے بغاوت کی، میرا باپ اُس کے ہاتھوں مارا گیا اور میرا بھائی تُرک قیدی بنا۔ میں اُس وقت بہت چھوٹا تھا۔ میری ماں مُجھے لے کر بھاگی اور ایک پہاڑی درّے میں جا کر چھُپ گئی۔ بہت دِن بعد معلوم ہوا کہ ایک آدم زاد جوان نے قصاب کو قتل کیا اور تُرک کو قید سے آزاد کرا کے تخت پر بِٹھایا۔ اِس کے بعد وہ آدم زاد جوان ایک دم غائب ہو گیا۔ اس دوران میں میری ماں مر گئی اور میں اکیلا رہ گیا۔

ایک روز خیال آیا کہ یہاں سے نکلوں اور تُرک سے جا کر اپنا حال کہوں کہ آخر وہ میرا بھائی ہے۔ میں پہاڑی درّے سے نکلا اور چلتے چلتے ایک باغ میں داخل ہوا۔ وہاں پھل دار درخت تھے اور ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ میں نے پھل کھائے، پانی پیا اور سستانے کے لیے وہیں لیٹ

گیا۔

یکایک ہوا میں اُڑتا ہوا ایک تخت آیا اور میرے برابر آن کر رُکا۔ ایک پری سُرخ لباس پہنے تخت پر سوار تھی۔ میں نے اس کا نام پوچھا تو کہنے گی کہ مُجھے دُردانہ سُرخ پوش کہتے ہیں۔ میں نے اُس سے کہا کہ مُجھے بھی اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لو۔ اس نے کہا، میرا جی تو چاہتا ہے کہ تمہیں تخت پر بٹھاؤں، لیکن کِسی اور کے قبضے میں ہوں۔ خُدا سے دعا کرو کہ وہ تمہاری مُراد پوری کرے۔ اِس کے بعد تخت ہوا میں بُلند ہو کر غائب ہو گیا۔

اے بھائی، دُردانہ سُرخ پوش کے جانے کے بعد رنج و غم سے میرا حال تباہ ہوا۔ صحراؤں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرنے لگا، لیکن کہیں اُس کا نام و نشان نہ پایا۔ ایک دِن اِس پاگل پن میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ یکایک نورانی صورت کا ایک بُڈّھا نمودار ہو کر کہنے لگا:

"تُرکان شاہ کے بیٹے، میں وہ فقیر نجومی ہوں جِسے تیرے باپ نے ناراض ہو کر قتل کرنا چاہا تھا، لیکن خُدا نے میری جان بچائی۔ مُجھ سے اپنا ارادہ بیان کر کہ کیا چاہتا ہے؟"

میں نے اُس بُڈّھے سے سب حال کہا۔ وہ مُجھے ایک جگہ لایا۔ وہاں چِنار کے چار درخت برابر برابر کھڑے تھے۔ بُڈّھے نے میرے خنجر پر کُچھ پڑھ کر دم کیا اور زمین کھودنے کا اشارہ کیا۔ میں نے پانچ روز تک زمین کھودی۔ آخر درخت کی جڑ رکاوٹ بنی۔

ہر مُمکن کوشش کر کے سُرنگ کھودنی چاہی مگر ناکام رہا۔ آخر خُدا کو یاد کیا اور اُس نے میری مدد کے لیے آپ کو بھیج دیا۔

مَلِکۂ عالم شاہ

لیث کا قصّہ سُن کر شہزادہ اور اس کے ساتھی حیران ہوئے اور کہا کہ تم ہمارے ساتھ ہی رہو۔ خُدا نے چاہا تو کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکلے گی۔

ایک دِن یہ سب کے سب صحرا میں گھومتے پھرتے ایسے مقام پر پہنچے جہاں ہزار گز بُلند ایک عالی شان مینار کھڑا تھا۔ مینار پر سے کسی شخص کے رونے اور پیٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ شہزادے اور اُس کے ساتھیوں نے

ہرچند مینار کے اوپر جانے کا راستہ تلاش کیا، مگر نہ پایا۔ مجبور ہو کر لَوح کو دیکھا۔ لکھا تھا :

"اے شہزادے، ابھی تھوڑی دیر میں صندلی رنگ کا ایک پرندہ فلاں درخت پر آن کر بیٹھے گا اور دردناک آواز میں گانا گائے گا۔ تُم اُسے تیر سے ہلاک کر کے اُس کا خُون جامِ جم میں جمع کر لینا۔ پھر مینار کی دیوار پر اُس خون سے دروازے کی تصویر بنا کر سو مرتبہ اِسم اعظم پڑھ کر دم کرنا۔ دروازہ نمودار ہو گا۔ اِس وقت خاکستری رنگ کا ایک خوف ناک اژدہا مُنہ سے شعلے برساتا مینار سے نکل کر تُم پر حملہ کرے گا۔ پرندے کا باقی خون اِس اژدہے کے اوپر ڈال دینا۔ وہ جل جائے گا۔ اِس کے بعد ایک زینہ دکھائی دے گا۔ اُس زینے کی راہ سے رونے والے کو نیچے اُتار لانا اور اس کا حال سُننا۔"

شہزادے نے لَوح کی اِن ہدایتوں پر عمل کر کے مینار والے شخص کو نیچے اُتارا۔ بھوک اور پیاس سے اُس کا بُرا حال تھا۔ اُسے انار کا عرق پلایا، ہرن کے کباب کھلائے، تب اُس کی کُچھ جان میں جان آئی۔ اُس شخص نے یوں اپنی داستان سُنائی:

"میرا نام ریحان شاہ مرصّع پوش ہے اور میں ملک مرجانیہ کا شہزادہ ہوں۔ میرا باپ مرجان شاہ اور مَلِکہ نورالبصر کا باپ شاہ نظرستان دونوں سگے بھائی تھے مگر آپس میں کُچھ رنجش تھی اور میل ملاپ زیادہ نہ تھا۔ تب میں نے خود جا کر مَلِکۂ روشن نظر سے صلح صفائی کر لی جو شاہ نظرستان کی بیوی اور نورالبصر کی ماں ہے۔

وہاں سے رُخصت ہو کر میں حافظ نَربُور جِن کی قبر پر گیا۔ بہت سی پریاں بھی زیارت کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ اُن ہی میں ایک پری دِل آرام نام کی

بھی تھی۔ یہ مَلکہ عالم شاہ کی سہیلیوں میں سے ہے جو عجبستان کی مَلِکہ ہے اور جِس کے سامنے غیر مرد کا نام لینا بھی جُرم ہے۔ دِل آرام کی کنیزوں نے مُجھے دھکّے دے کر وہاں سے بھگا دیا۔ میں نے رو رو کر اپنا حال تباہ کیا اور نَر بُور جِن کی قبر ہی پر ڈیرے ڈال دیے۔

چھٹی رات نَر بُور جِن مُجھے خواب میں دِکھائی دیا اور کہا کہ اے ریحان شاہ اس وقت اٹھ کر باغ کے جنوبی گوشے میں جا۔ صُبح سورج نکلنے سے پہلے ایک پرندہ ہوا میں اُڑتا آئے گا۔ اُس پرندے سے کہنا کہ اے مرکوب جِن، تُجھے حافظ نَر بُور حُکم دیتا ہے کہ ریحان شاہ کو فوراً جمعیت بخش کے باغ میں پہنچا دے۔ تیری بات سُنتے ہی وہ پرندہ شُتر مرغ کے برابر ہو جائے گا۔ تو اُس کی پیٹھ پر سوار ہو جائیو۔ وہ تُجھے مینار پر لے جا کر بِٹھا دے گا۔ اِس مینار سے تُجھے ایک آدم زاد جواں مرد اُتار لے گا اور تیری مُراد پوری ہو گی۔ “

ریحان شاہ کی سرگزشت سُن کر سب نے اُسے تسلّی دی اور کہا کہ ہمارے ساتھ رہو۔ دو دِن گُزرنے کے بعد یکایک سارا باغ روشن ہوگیا۔ باغ کے پہلے حصّے میں دیو، دوسرے میں جِن اور تیسرے میں پریاں اُتریں اور اُن سب نے تیزی سے باغ کو سجانا شروع کیا۔ حوض کے کنارے چھ خوب صورت تخت بچھائے۔ پہلا تخت زمرّد کا، دوسرا فیروزے کا، تیسرا الماس کا، چوتھا یاقوت کا، پانچواں لعل کا اور چھٹا مروارید کا تھا۔ پھر سینکڑوں کنیزوں کے ساتھ چھ شہزادیاں آئیں اور ہر شہزادی ایک ایک تخت پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ایک عالی شان تخت آسمان سے زمین پر اُترا۔ تخت پر ایسی خوب صورت پری بیٹھی تھی کہ شہزادے کی آنکھیں اُسے دیکھ کر کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ پری زاد شہزادیوں نے اُٹھ اُٹھ کر آنے والی پری کو ادب

سے سلام کیا۔ شہزادہ یہ تماشا دیکھ کر حیران تھا۔ اُس نے لَوحِ زُحل پر نگاہ ڈالی تو یہ عبارت ظاہر ہوئی :

"اے شہزادے، اِس پری کا نام مَلِکۂ عالم شاہ ہے اور یہ کوہ قاف کی سب سے بڑی مَلِکہ ہے۔ مَلِکہ کے والد ثاقب شاہ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھی ہے۔

یہ طِلسم آصفی کی مالک ہے جو ساتویں طبقے میں ہے۔ شہر کا نام زیبا سواد ہے۔ طِلسم آصفی کا محافظ ایک زبردست دیو ہے جسے پاسنگ آہن کہتے ہیں۔ اِس طِلسم کو کھولنے والی لَوح بھی اُس دیو کے قبضے میں ہے۔ شہزادی وہم افروز، خوش ناز، روح بخش، گُل فام، نور البصر اور ماہ سبز پوش سب مَلِکۂ شاہ عالم کی خاص کنیزیں ہیں۔ اُن چھ خاص کنیزوں کے لیے طِلسم میں الگ الگ چھ طبقے مقرّر ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ اِن طبقوں

میں جانے اور سیر کرنے کی اجازت ہے، لیکن اِس باغِ جمعیت بخش میں ہر چالیس دِن بعد یہ سب سیر کے لیے آتی ہیں۔ اب تُم بے دھڑک اپنے ساتھیوں کو لے کر اِس محفل میں جاؤ۔"

لَوح کا حُکم پاتے ہی شہزادے نے اپنے رفیقوں سمیت محفل کا رُخ کیا۔ انھیں دیکھتے ہی محفل میں کھلبلی مچ گئی۔ پہرے دار دیوؤں نے فوراً اُن سب کو گرفتار کر کے مَلِکہ کے حضور میں پیش کیا۔ مَلِکہ نے تیوریاں چڑھا کر اُن کی طرف دیکھا اور بولی:

"تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں اجنبی لوگوں کا داخلہ منع ہے اور اِس حُکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ تمھاری کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ، تاکہ پوری کی جائے۔"

شہزادے نے کہا: "میرے ساتھ اِس مُلک کے چھ ایسے نوجوان ہیں جن

کی مُراد مَلِکۂ عالم شاہ کے ایک اشارے سے پوری ہو سکتی ہے۔"

مَلِکہ نے بڑی دِل چسپی اور حیرت سے اُن کے واقعات سُنے۔ پھر کہا :

"ہم نے تمھاری سفارش قبول کی۔ اِن تمام نوجوانوں کی شادیاں انھی پری زادوں سے ہوں گی جِن سے یہ چاہتے ہیں۔ اب کوئی اور خواہش ہو تو بیان کرو۔"

شہزادے نے کہا : "صرف اِتنا بتا دیجیے کہ شہرِ زیبا سواد سے مُلک عجبستان کا فاصلہ کس قدر ہے ؟"

"بارہ روز کا راستہ ہے۔" مَلِکہ نے حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے تُم وہی آدم زاد ہو جو طِلسم جمشید کو فتح کرنے آئے ہو؟"

"بے شک، میں وہی ہوں۔" شہزادے نے کہا۔

”آپ کا تشریف لانا مُبارک ہو۔“ مَلِکہ نے کہا۔ ”آپ آج سے ہمارے مہمان ہیں۔“

*****